دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۸	رمضان المبارک - شوال المکرم ۱۴۴۵ھ مطابق اپریل ۲۰۲۴ء	شمارہ: ۴

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 108, Issue No. 4, April. 2024 अप्रैल 2024
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 30/=	Annual Subscription Rs. 300/=

Annual by Regd Post. Rs. 540/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	حضرت مولانا محمد احمد فیض آبادی جوارِ رحمت میں	محمد سلمان بجنوری	۳
تحقیقی مقالات	یہودیت کیا ہے؟	ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۵
//	فلسطین کے حقیقی باشندے اور اصلی حق دار	مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی	۱۶
رہنمائی	''مغربی فکر وفلسفہ'' کا تعارف	مولانا زاہد الراشدی	۲۵
//	دین کے ہر شعبہ میں خیر ہے	مولانا محمد نعمان خلیل	۳۳
ذکر صحابہؓ	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	مولانا ابوبکر حنفی شیخوپوری	۳۷
اصلاحی مضامین	عافیت ایک عظیم ترین نعمت	مولانا محمد عمر قاسمی	۴۲
//	رزق حلال اور قبولیت دعا	مولانا محمد اسعد قاسمی	۴۷
احوال وکوائف		مولانا محمد اللہ قاسمی	۵۱
نئی کتابیں	تبصرہ	ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/540 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

حضرت مولانا محمد احمد فیض آبادی جوارِ رحمت میں

محمد سلمان بجنوری

۱۴؍شعبان ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۵؍فروری ۲۰۲۴ء بروز اتوار، دارالعلوم کے سابق استاذ حدیث وناظم تعلیمات حضرت مولانا حکیم محمد احمد فیض آبادی انتقال فرما گئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اوران کے ساتھ رحمتِ خاص کا معاملہ فرمائے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ ۱۴۱۱ھ سے ۱۴۳۹ھ تک دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر رونق افروز رہے اور اس عرصہ میں تدریسی خدمت کے ساتھ انتظامی خدمات بھی مولانا سے وابستہ رہیں اور دونوں ہی ذمہ داریوں کو انھوں نے اپنی ہمت کے مطابق پوری مستعدی اور جانفشانی سے انجام دیا، تدریس سے سبک دوشی کے بعد، دارالشفاء میں طبیب کی حیثیت سے بھی کچھ عرصہ خدمت انجام دی؛ لیکن یہ سلسلہ زیادہ طویل عرصہ تک جاری نہ رہ سکا اور صحت کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی یک سو ہو گئے، آخر کا کچھ عرصہ کمزوری اور گوشہ نشینی میں گزرا یہاں تک کہ جوارِ رحمتِ حق میں پیوست ہو گئے۔

حضرت مولانا ایک کہنہ مشق مدرس اور ماہر منتظم تھے، دارالعلوم دیوبند سے پہلے انھوں نے مدرسہ قاسمیہ گیا، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ اور جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں خدمت انجام دی اور ہر جگہ تدریس کے ساتھ انتظامی ذمہ داریاں ان سے وابستہ رہیں۔ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تو وہ اخیر میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے منصب پر فائز ہو گئے تھے کہ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں اُن کا تقرر ہو گیا۔

دارالعلوم میں آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد یہاں بھی انتظامی ذمہ داری اُن سے متعلق ہوئی، یہاں وہ مدرسہ ثانویہ کے نگراں، نائب ناظم مجلس تعلیمی اور بعد میں ناظم مجلس تعلیمی کے منصب پر فائز ہوئے؛ لیکن ان کی اصل کارگزاری، مدرسہ ثانویہ کے نگراں کے طور پر سامنے آئی، دارالعلوم میں

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری رحمہ اللہ کی نظامت کے زمانے میں معیار بہتر بنانے کے لیے سال چہارم تک کی تعلیم کو ثانویہ کے نام سے الگ کرکے اس کی نگرانی کا نظام بنایا گیا تھا اور ماہانہ امتحان کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا؛ لیکن اس کے لیے سابق طبیہ کی عمارت استعمال ہورہی تھی اور نگرانی کا نظام مستحکم نہیں ہورہا تھا، ۱۴۱۵ھ میں ثانویہ کی موجودہ عمارت کی تکمیل کے بعد یہاں تعلیم منتقل ہوئی اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب کو اس کا نگراں بنایا گیا، تو یہ نظام استحکام کی طرف چل پڑا، حضرت مولانا تجربہ کار منتظم تھے، ذاتی طور پر وقت کے پابند اور مستعد تھے، ضرورت پڑنے پر دارو گیر اور باز پرس کی ہمت بھی خوب رکھتے تھے، اس لیے ان کی نگرانی میں اِن درجات کی تعلیم کا معیار بہتر سے بہتر ہوتا چلا گیا، اسی دور میں نظامت تعلیم کی ذمہ داری، مخدومی حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی دامت برکاتہم (حال صدر المدرسین) سے متعلق ہوگئی تھی اور یہ دونوں حضرات گیا اور مرد آباد میں بھی ساتھ کام کرچکے تھے، اس لیے حضرت مولانا مدظلہ کی سرپرستی اور ان کے ساتھ مولانا مرحوم کی ذہنی ہم آہنگی اور آپسی تعاون کی وجہ سے کام میں آسانی ہوئی اور اس نظام کو بہتر سے بہتر بنانا ممکن ہوا۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب ذاتی طور پر تقویٰ طہارت اور ذوقِ عبادت میں ممتاز تھے، سحر خیزی اور تہجد کی پابندی اُن کی عادت میں شامل تھی، جب تک مسجد میں آنے کے لائق رہے ان کی جماعت نہیں چھوٹی، وہ مستند طبیب تھے اس لیے جہاں بھی رہے، عصر کے بعد مریضوں کو دیکھنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس طرح خدمتِ خلق کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ ان کا لباس صاف ستھرا اور چہرہ نورِ عبادت سے منور رہتا تھا، شخصیت میں وجاہت تھی اور کم آمیزی کے باوجود حسن اخلاق سے مالا مال تھے، مجموعی اعتبار سے مغتنم شخصیات میں سے تھے اور اُن کے جانے سے بلاشبہ ایک اچھے استاذ ومنتظم کا خلا پیدا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

* * *

یہودیت کیا ہے؟

(۲/۲)

بقلم: ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

تورات کے محرف نہ ہونے کی کمزور دلیل

عربی ترجمۂ تورات جو میرے سامنے ہے اس کی تمہید میں دو باتیں لکھی ہیں:

۱- یہ تورات موسیٰ علیہ السلام کے لگا تار ان کے چون (۵۴) خلفاء کے ہاتھوں میں رہی، ان سب کے نام ترتیب سے لکھے ہوئے ہیں۔ (تمہید تورات ص۳،۶)

۲- بارہ سو سال تک تورات صرف انبیاء اور ائمہ کے ہاتھوں میں رہی، ان کے علاوہ کسی نے چھوا تک نہیں۔ (ایضاً ص۸)

تمہید میں ان دونوں باتوں کو لکھ کر یہودی دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تورات قابلِ اعتماد اور تحریف وتبدیلی سے محفوظ کتاب ہے۔

اشکال (۱): اس پر یہ اشکال ہوگا کہ گویا عام لوگوں کو اللہ کی کتاب پڑھنے میں رکاوٹ تھی، کسی عام آدمی نے اسے چھوا تک نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس کتاب کو اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجیں پھر اُسے عام لوگوں کو پڑھنے اور چھونے سے منع کردیں، یہ بات انبیائے کرام علیہم السلام کی شان اور ان کے فرض منصبی سے بھی بہت دور معلوم ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ باتیں جہاں ایک طرف یہ باور کراتی ہیں کہ تورات محفوظ رہی اسی طرح اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تحریف وتبدیل کے مرتکب ان کے ائمہ اور احبار ہی تھے، وہ موقع موقع سے مال دار لوگوں کے مفاد کی دلیلیں بنانے کے لیے بھی اصل کتاب میں ہی تبدیلی کرڈالتے تھے؛ تاکہ ان کو دنیا حاصل ہوجائے۔

حضرت نوحؑ کی عمر کے بیان میں قرآن کی مخالفت

عربی ترجمۂ تورات (ص ۳۹، ۴۰) میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر اس وقت چھ سو سال تھی جب زمین پر سیلاب آیا تھا:

"وَكَانَ نوحٌ ابنُ ستِّ مائةِ سنةٍ إذ هَطَلَ ماءُ الطوفان على الأرض" (پیدائش، قرارت ۱۴)۔

ترجمہ: اور جب زمین پر پانی کا طوفان نازل ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام چھ سو سال کے تھے۔

یہ بات قرآن مجید کی صراحت (ساڑھے نو سو سال) کے خلاف ہے؛ اس لیے ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی، یہ بھی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ موجودہ تورات اصل تورات نہیں ہے۔

فرشتوں کا کھانا پینا

حضرت نوحؑ کے قصّے میں لکھا ہے کہ حضرت نے عذاب کے دونوں فرشتوں کے لیے شراب، روٹی اور فطیر (چپاتی ''اردو ترجمہ'' پیری ''فارسی ترجمہ'') تیار کی تو دونوں نے شام کو کھایا۔ (پیدائش، قرارت ۳۰) ترجمۂ عربی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"فَأَعَدَّ لَهُما شَرابًا و خُبْزًا فَتَعَشَيَا".

جب فرشتے نورانی مخلوق ہیں تو وہ کھانا کس طرح کھا گئے؟ قرآن پاک میں اسی قصے میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چربی دار بھونا ہوا بچھڑا پیش کیا تو انھوں نے معذرت کردی، اس سے بھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ موجودہ تورات اصل تورات کا ترجمہ نہیں ہے۔

اسماعیل کے بجائے اسحاق کو ذبیح بتایا ہے

موجودہ ترجمۂ تورات میں ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام کو بتایا گیا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے بیٹے اسحاق کو ساتھ لیا اور چھری، آگ اور لکڑی لی تو حضرت اسحاق نے پوچھا کہ قربانی کا جانور کہاں ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کو نہیں بتایا کہ تمہیں ذبح کرنے والا ہوں؛ بلکہ یہ کہا: "اللّٰه يَعُدُّ لَنَا حَمْلًا للقربان": اللہ تعالیٰ ہمارے لیے قربانی کا جانور تیار کرکے دیں گے۔ (پیدائش، قرارت ۳۳)۔

اس میں دونوں باتیں قرآن کے خلاف ہیں اسحاقؑ کا ذبیح ہونا بھی اور ابراہیمؑ کا نہ بتانا بھی؛ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ موجودہ تورات اصل تورات نہیں ہے، جس پر ہم کتاب اللہ ہونے کا

ایمان رکھتے ہیں۔

موجودہ تورات کے کلام اللہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں

کرونا وائرس (کووڈ ۱۹) کے تعطل کے زمانے میں، خیال آیا کہ ''تورات'' کا مطالعہ کرنا چاہیے، اتفاق سے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں ''نول کشور لکھنؤ'' کا مطبوعہ نسخہ ملا، یہ ۱۲۹۸ھ=۱۸۸۱ء کا چھپا ہوا ہے، یہ ترجمہ تین زبانوں میں ہے، گویا یہ تین ترجموں کا مجموعہ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی (تمہید تورات ص ۱)؛ مگر اس زبان میں آج تورات دنیا میں موجود نہیں، جہاں بھی موجود ہے وہ ترجمہ ہی ہے۔ اس کی صراحت موجودہ ترجمہ کے صفحہ نمبر دو پر ہے۔

میں نے عربی ترجمہ پڑھنا شروع کیا، کہیں پر یہ یقین نہیں ہوا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے یا اللہ کا کلام ہے، آپ بھی پڑھ کر دیکھیں اس میں وحی کا رنگ نظر نہیں آئے گا، اگر کوئی قرآن پاک پڑھا ہے اور سمجھا ہے تو اُسے صاف صاف کھلی آنکھوں نظر آئے گا کہ وہ انسانوں کا کلام پڑھ رہا ہے، کوئی یہ نہ کہے کہ ترجمہ تو انسانوں کا ہی ہے تو وہ تصور میں کلام اللہ کیسے ہوگا؟ اس لیے کہ میرا مطلب مضامین ہے یعنی اُس میں اللہ کی بات نظر نہیں آتی۔

پانچوں ابواب پر سرسری نگاہ ڈالیے

''پہلا باب'' کائنات کی تخلیق کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس میں ساری باتیں تاریخی انداز کی ہیں، کہیں بھی کلام اللہ نظر نہیں آتا۔

''دوسرا باب'' مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کی تاریخ پر مبنی ہے، اس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان سارے لڑکوں کے نام ہیں جو باپ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے، مصر سے نکلنے کے واقعات، موسیٰ کی قیادت اور ان کی ہدایات کا ذکر ہے، اس کے پہلے حصے میں مصر کی غلامی کا ذکر ہے (باب ۱ سے ۱۲) دوسرے میں میدان تیہ کا ذکر ہے (۱۳ سے ۱۸) اور تیسرے میں شریعت دیے جانے کی تاریخ (۱۹ سے ۴۰) انسانی تصنیف کا انداز بیان نمایاں ہے۔

''تیسرے باب'' میں احبار اور کاہنوں کے اقوال ہیں؛ یہ آثار صحابہ وتابعین تو ہو سکتے ہیں، کتاب اللہ ہونے کا دعویٰ کرنا غلط ہوگا۔

''چوتھے باب'' میں بنی اسرائیل کی ابتدائی چالیس سالہ تاریخ ہے اور بنی اسرائیل کے نام گنے گئے ہیں، بھلا اللہ کی کتاب میں، ووٹرلسٹ کی طرح؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نسب کی صراحت کے ساتھ سب کے نام کیوں کر بیان ہوں گے؟ اس لیے اس حصے کو بھی اللہ کی کتاب کہنا مشکل ہے۔

''پانچویں باب'' میں اقوال موسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے، قول نبی کو حدیث کہیں گے اللہ کا کلام نہیں کہہ سکتے۔ تو اب بچا کیا؟ انھیں ''پانچوں ابواب'' پر تورات مشتمل ہے اور ان میں سے کسی پر اللہ کی کتاب ہونے کا استدلال کرنا مشکل ہے۔ تورات ''تناخ'' کے تین حصوں میں سے ایک حصہ ہے، دو حصوں کے انسانی تصنیف ہونے پر سب متفق ہیں تو اس حصے پر بھی متفق ہونا چاہیے کہ انسانی تصنیف ہے، اللہ کی کتاب نہیں ہے۔

''پانچواں باب'' بھی مشکوک

یہودیوں کے پاس یہ باب تھا ہی نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چھ سو سال کے بعد ایک جنگ کے زمانے میں ایک آدمی بادشاہ کے پاس آیا اور بولا کہ ایک غار میں کتاب ملی ہے، معلوم نہیں کس کی ہے؟ تو بادشاہ نے اپنے زمانے کی ''نبیہ'' (عورت) کے پاس بھیجا، جس کا نام ''ہُلدا'' (Hulda) تھا اس نے تصدیق کی کہ یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام کی ہے؛ چنانچہ اس کے بعد اسے تورات میں شامل کیا گیا۔ (تاریخ قرآن: ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی)۔

غور کیجیے کہ چھ سو سال بعد اور وہ بھی غار میں ملی، غیر معروف آدمی لے کر آیا اور تصدیق بھی عورت نبی نے کی، جب عورت کا نبی ہونا ہی مشکوک ہے کہ کسی عورت کو اللہ نے نبی نہیں بنایا، تو اس کی تصدیق قابلِ اعتماد کیسے ہوسکتی ہے؟

یہودیت میں عید

(۱) یہودیت میں ہفتے کے دن کو بڑی عظمت حاصل ہے، اسے وہ ''شابات'' کہتے ہیں، قرآن مجید میں اِسے ''سبت'' کہا گیا ہے، اس دن یہود پیسے نہیں کماتے؛ بلکہ پیسوں کا ذکر بھی نہیں کرتے، گاڑی نہیں چلاتے؛ یہاں تک کہ جلی بجلی (بتی) کو نہ بجھاتے اور نہ بجھی ہوئی کو جلاتے ہیں، چولہا بند رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ زمین وآسمان کو اللہ نے چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہفتے کے دن آرام کیا؛ اس لیے یہ عبادت ہے۔ (پیدائش باب ۲۰)، ہفتے کے علاوہ بھی بہت سے ایام ہیں جن کو وہ عید کے طور پر مناتے ہیں، ان میں درج ذیل عیدوں کو شہرت حاصل ہے:

(۲) ''عید فسح'': سب سے اہم عید کا دن یہی ہے، اسے ''عید فطیر'' بھی کہا جاتا ہے، پندرہ اپریل سے لگاتار سات دنوں تک وہ عید مناتے ہیں، بے خمیر کی روٹی کھاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی دن فرعون سے ان کو نجات ملی تھی، مصر سے نکلنے کا موقع نصیب ہوا تھا، غالباً اس کا پہلا دن ہمارے یہاں کا یوم عاشوراء ہے۔

(۳) ''یوم کفارہ'': تشری (ساتویں مہینے) کے یوم ''کیپوریا'' کو یہ ۲۵ گھنٹے کا روزہ رکھتے ہیں، جانور ذبح کرتے ہیں، اس دن کو گناہ کے کفارے کے طور پر منایا جاتا ہے۔

(۴) ''سوکوت'': یوم کفارہ کے پانچ دن کے بعد تشری کی پندرہویں تاریخ کو ''وادی تیہ'' کی یاد میں یہ دن منایا جاتا ہے۔

(۵) ''عید پوریم'': آدر (بارہویں مہینے) کی چودھویں تاریخ کو یہ دن منایا جاتا ہے، اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ۴۸۶ قبل مسیح یہودیوں کو اسی دن قتلِ عام سے نجات حاصل ہوئی تھی۔

(۶) ''ہفتوں کا تہوار'': یہ ایک زرعی تہوار ہے، ہفتے کی عید سے الگ ہے۔ گیہوں کی فصل کے اختتام پر سیوان (تیسرے مہینے) کے چھٹے اور ساتویں دن منایا جاتا ہے۔

اسلام اور یہودیت کا نقطۂ اتحاد

اسلام اور یہودیت دو ایسے مذہب ہیں جن میں نقطۂ اتحاد بہت ہے، انھیں نقاط کی وجہ سے بعض شرعی احکام (مثلاً نکاح اور ذبیحہ) میں ایک دوسرے کا اجتماع ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) ''توحید'': اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے اور ماننے میں دونوں مذاہب ایک ہیں، یہود کے یہاں بھی اس کائنات کا خالق ایک ذات پاک ہے، جس کا وجود بلا جسم اور بلا مادہ ہے۔

یہ اور بات ہے کہ یہود میں ہی بعض ایسے فرقے بھی ہیں جنھوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، یہ لوگ مشرک ہیں۔

(۲) ''رسالت'': انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا ہے، اس میں بھی اسلام اور یہودیت کا اتفاق ہے، ہاں! فرق یہ ہے کہ مسلمان سارے پیغمبروں کو مانتے ہیں؛ جب کہ یہود حضرت آدمؑ سے ملاکی نبی تک پیغمبروں کو مانتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ اور ان کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے؛ بلکہ یہود حضرت عیسیٰؑ کو ''مسیحِ دجال'' مانتے ہیں اور دجال جو آنے والا ہے اُسے ''مسیحِ ہدایت'' مانتے ہیں اور اس کے آنے کی دعا بھی کرتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ دجال یہودی ہوگا، انھیں کی نسل سے پیدا ہوگا۔

(۳) ''آخرت'': مرنے کے بعد نیک لوگوں کو جنت ملے گی اور گنہگاروں کو جہنم میں جلنا پڑے گا، یہ دونوں ہمیشہ رہنے کی جگہیں ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اسلام اور یہودیت کا اتفاق ہے، بس فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک جنت سب فرماں برداروں کے لیے ہے؛ جب کہ یہود کے نزدیک

جنت صرف یہودیوں یا نصرانیوں کے لیے ہے اور ان کو جہنم میں بس چالیس دن یا اس سے کم رہنا پڑے گا اور وہ بچھڑے کی پوجا کا زمانہ ہے۔ وہ کہتے تھے:

لَنْ یدخُلَ الجنۃَ إلّا مَنْ کَانَ ھودًا أو نصاریٰ. (بقرہ:۱۱۱)

(۴) ''دس احکامات'': یہودیت میں دس احکامات کی اہمیت مسلّم ہے، ان میں سے نو احکامات سے اسلام کو اتفاق ہے، صرف ''ہفتہ کی تعظیم'' سے مسلمانوں کو اتفاق نہیں، اس کی جگہ مسلمانوں کے یہاں جمعہ کا دن ہے؛ مگر دونوں کے نزدیک تعظیم کے طریقے الگ الگ ہیں۔

(۵) ''ذبیحہ'': مسلمانوں کے نزدیک یہودی کا ذبیحہ جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود بھی اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں اور اس میں وہ مسلمانوں کی طرح سخت ہیں، ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ اعتماد ہے؛ اس لیے ان کے ذبیحہ کو قرآن نے جائز قرار دیا ہے؛ مگر یہ ضروری ہے کہ یہودی اصل مذہب کا پیرو ہو محض نام کا یہودی اور اصلاً دہریہ اور ملحد نہ ہو۔ اسی احتمال کی وجہ سے علمائے دیوبند موجودہ یہودیں ونصاریٰ کے ذبیحے سے احتیاط کا فتویٰ دیتے ہیں۔

(۶) ''تدفین'': میت کو دفن کرنے میں بھی مسلمانوں کا یہودیوں سے اتفاق ہے؛ مگر میت کا چہرہ یہودی بیت المقدس کی طرف کرتے ہیں اور مسلمان خانۂ کعبہ کی طرف۔

(۷) ''شراب کی حرمت'': شراب ان کے یہاں بھی حرام ہے اور مسلمانوں کے یہاں بھی۔

(۸) ''ختنہ'': ختنہ دونوں کے یہاں سنتِ ابراہیمی ہے؛ البتہ یہود آٹھویں دن ختنہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے یہاں دن کی تعیین نہیں ہے۔

(۹) ''نماز'': عبادت میں نماز ان کے یہاں بھی ہے اور مسلمانوں کے یہاں بھی؛ مگر ان کی نماز میں رکوع نہیں ہے اور وہ تین وقت پڑھتے ہیں اور مسلمان پانچ وقت فرض ادا کرتے ہیں، ان کے یہاں صبح اور دوپہر کی نماز فرض ہے، شام کی نماز فرضیت اختیاری ہے۔

(۱۰) ''روزہ'': مسلمانوں کے یہاں رمضان کا روزہ فرض ہے اور ان کے یہاں عاشوراء یعنی دسویں محرم کا روزہ فرض ہے۔ بقیہ نفلی روزے ہیں، مسلمانوں کے یہاں روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا ہوتا ہے؛ جب کہ یہود کے نزدیک مغرب سے مغرب تک کا روزہ ہوتا ہے۔

اسلام اور یہودیت کا نقطۂ اختلاف

اسلام اور یہودیت کا مطالعہ کیا جائے تو چند عقائد اور چند احکام کے علاوہ سب میں اختلاف ہی نظر آئے گا، اتفاق اس وقت رہتا جب یہودیت اور ان کی کتاب میں بار بار تبدیلی نہ ہوتی،

انھوں نے اللہ کی شریعت کو اتنا بدلا کہ ان کی شریعت آسمانی شریعت معلوم ہی نہیں ہوتی ہے، ذیل میں چند اختلافی عقائد واحکام نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) ''عزیر کو اللہ کا بیٹا بنایا'': یہود کے ایک فرقے نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنالیا، جس سے توحید کی عمارت زمیں بوس ہوگئی۔

(۲) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو بادشاہ کہتے ہیں، نبی نہیں مانتے، اسی طرح حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بھی نبی نہیں مانتے؛ اس لیے انھوں نے ان دونوں کو شہید کیا۔

(۳) ''حضرت عیسیٰ'': یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اور نبی نہیں مانا؛ بلکہ ''مسیح دجال'' مان لیا؛ حالاں کہ حضرت عیسیٰ تورات کے مشکل احکام کو آسان کرنے کے لیے آئے تھے، متعدد احکام میں تبدیلی کرنے کے لیے آئے تھے، ''انجیل'' کا نزول بھی شریعتِ موسوی میں جزوی تبدیلی کے لیے ہوا تھا؛ مگر یہود نے ان کے ساتھ گستاخیاں شروع کیں؛ چنانچہ منافقت کے ذریعے ان کا قرب حاصل کرلیا، حواریوں میں داخل ہوگئے؛ بالآخر سولی تک پہنچانے کی سازش کرلی؛ اگرچہ کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر آسمان پر اٹھالیا اور اس آدمی کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی کردی جو حضرت عیسیٰ کو سولی دینے کے لیے سب سے پہلے کمرے میں داخل ہوا تھا، جس کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگوں کو اشتباہ ہوگیا اور انھوں نے اس کو عیسیٰ سمجھ کر سولی دے دی۔ غرض یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں نے ناروا سلوک کیا۔

(۴) حضرت اسماعیل اور محمد رسول اللہ کا انکار: یہودیوں کی کتابوں میں آخری پیغمبر کی نشانی کھول کھول کر بتائی گئی تھی اور وہ منتظر بھی تھے؛ مگر اُن کا خیال تھا کہ جس طرح بعد کے سارے انبیاء حضرت اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی اولاد میں پیدا ہوے ہیں؛ اسی طرح آخری نبی بھی انھیں میں ہوں گے؛ مگر معاملہ الٹھا ہوگیا کہ حضرت نبی کریم خاتم النّبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسماعیلؑ میں سے ہوے۔ اب یہود انکار کرنے لگے کہ اگر یہ ہمارے خاندان یعنی اسحاق ویعقوب کی اولاد میں سے ہوتے تو ہم مانتے، یہ تو اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں، اس لیے نہیں مانیں گے؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو کتاب سے مٹانا شروع کیا اور حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے کا انکار کیا؛ تاکہ فضیلت حضرت اسحاقؑ کی طرف منتقل ہوجائے اور اس کے لیے تورات میں ہیر پھیر کرنے لگے۔

(۵) افضلیتِ موسیٰ علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل الانبیاء مانتے ہیں؛ بلکہ تورات

کی تمہید میں انھیں ''اول الانبیاء'' سے تعبیر کیا ہے، یہ تمہید انھیں کی لکھی ہوئی ہے۔

(۶) ''انبیاء کی گستاخی'': یہود کے نزدیک نبیوں کی گستاخی عام ہے، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دھوکہ باز اور حضرت داؤدؑ اور حضرت لوطؑ کو (نعوذ باللہ) زانی مانتے ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں یہ باتیں سخت گناہ اور اسلام سے نکلنے کا باعث ہیں۔

(۷) ''اللہ کا بیٹا اور دوست'': یہود اپنے کو اللہ کا بیٹا اور دوست کہتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: نَحْنُ أبناءُ اللّٰهِ وَأحِبَّائهُ. (مائدہ:۱۸)

ترجمہ: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

(۸) ''فرشتوں کی عصمت'': یہود کے نزدیک فرشتے معصوم نہیں، وہ گناہ کر سکتے ہیں اور کھا پی بھی سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت لوطؑ کے یہاں دو فرشتوں نے روٹی، شراب اور پنیر کھائے تھے۔ مسلمانوں کے نزدیک فرشتے نورانی مخلوق ہیں کھانے پینے اور گناہوں سے پاک ہیں، وہ عبادت میں لگے رہتے ہیں، ان کو گناہ کی طاقت نہیں۔

(۹) ''یہودیت میں تبلیغ نہیں'': یہودیوں کے یہاں دین کی دعوت وتبلیغ نہیں ہے، ان کا مذہب نسلی ہے، اگر کوئی یہودی بننا چاہے تو وہ قبول نہیں کرتے اور اگر کوئی یہودیت قبول کرنے کے لیے ضد پر آجائے تو ''سات احکام نوح'' پر عمل کرنے کی ترغیب دے دیتے ہیں اور بس۔

(۱۰) یہود کے یہاں عورت نبی ہوسکتی ہے، مسلمانوں کے نزدیک عورت نبی نہیں ہوئی، یہود کے یہاں تورات کا پانچواں حصہ ''استثناء'' حضرت موسیٰؑ کے پانچ سو سال کے بعد ایک نبیہ (عورت) کی تصدیق کے بعد شاملِ تورات کیا گیا۔

(۱۱) ''مسلمانوں کا ذبیحہ'': یہودیوں کے نزدیک مسلمانوں کا ذبیحہ ناجائز ہے؛ جب کہ مسلمانوں کے نزدیک اصلی یہود کا ذبیحہ جائز ہے۔

(۱۲) ''اونٹ اور خرگوش'': یہود کے نزدیک اونٹ اور خرگوش ناجائز ہیں۔ (کتاب احبار) اسلام میں یہ دونوں جانور جائز ہیں۔

(۱۳) ''غیر یہود سے سود'': یہودیت میں غیر یہود سے سود لینا جائز ہے۔ (استثناء باب ۲۰۲۳-۲۱) جب کہ اسلام میں سود لینا مطلقاً ناجائز ہے۔

(۱۴) ''بیٹیوں کو تعلیم'': یہود کے نزدیک صرف بیٹوں کو تعلیم دینے کی ترغیب ہے۔ (استثناء باب ۱۹/۱۱) بیٹیوں کو تعلیم دینے کی ترغیب نہیں؛ مسلمانوں کے نزدیک تعلیم عام ہے مرد اور عورت

دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱۵) ''ماتم ونوحہ'': یہودیوں کے یہاں ماتم اور نوحہ ہے، مسلمانوں کے یہاں نہیں ہے اور بیوی چار مہینے دس دن زیب وزینت نہیں کرے گی اور غیر شوہر کے لیے تین دن تک غم کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد غم کو یاد کرنا جائز نہیں اور ماتم ونوحہ کی تو قطعاً اجازت نہیں ہے۔

(۱۶) ''الواحِ مزار'': یہود کے یہاں مزار پر تختی لگائی جاتی ہے، اس پر نام، پتہ، ولادت، وفات، کارنامے اور مختصر تعارف (تذکرہ) لکھا جاتا ہے، مسلمانوں میں شریعت سے ناواقف اور بدعتی لوگ ہی ایسا کرتے ہیں؛ البتہ قبر کے پاس ایک پتھر رکھ سکتے ہیں اس سے زیادہ بدعت ہے۔

(۱۷) ''آگے کا بال کھول کر ٹوپی پہننا'': یہودیوں کے نزدیک ٹوپی پہننے کا خاص انداز ہے یعنی ان کا شعار ہے کہ وہ آگے کا بال کھول کر ٹوپی پہنتے ہیں، مسلمانوں کے نزدیک پورے سر سے چپکی ہوئی آگے کے بال کو ڈھکنے والی ٹوپی مسنون ہے۔ یہ فرق شعار کی طرح آج کل واضح ہے۔

(۱۸) ''ستارۂ داؤدی'': یہودیت کی علامت نیلے رنگ کا چھ کونے والا ستارہ ہے، اسے ستارۂ داؤدی کہا جاتا ہے، مسلمانوں کے یہاں کوئی ایسی علامت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع سے سفید اور کالے رنگ کا جھنڈا استعمال فرمایا تھا؛ مگر اسلام کی باضابطہ کوئی علامت نہیں ہے۔ اسلام کا عقیدہ اور اعمال اس کی پہچان ہیں۔

یہودیت میں اللہ کی شان میں گستاخی

ہر مذہب میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے، اس کے تقدس کے بغیر کوئی آدمی معرفت کے پانے کا تصور نہیں رکھتا، یہودیت میں ایک طرف اللہ کی شان میں گستاخی کی گئی ہے تو دوسری طرف پیغمبروں کی توہین بھی بہت زیادہ کی گئی ہے، ان کے شواہد ان کی کتابوں میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے پچتانے، دل گیر ہونے اور تھکنے کے الفاظ ان کی کتابوں میں موجود ہیں، ان کی کتاب تورات (پیدائش، درس ۵) میں ہے: ''خداوند زمین پر انسانی پیدائش کرنے سے پچتایا اور دلگیر ہوا''۔ اور کتاب ''پرسیا'' (باب ۵ درس ۶) میں ہے کہ پچتاتے پچتاتے میں تھک گیا، دیکھیے کس طرح یہود اللہ تعالیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کر رہے ہیں؟ غمگین ہونے، انجام سے بے خبر ہونے اور تھک جانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں۔

وعدہ خلافی کتنی بری بات ہے؛ لیکن انھوں نے ''تورات'' (گنتی باب ۱۴ آیت ۳۵) میں لکھا ہے:.... ''تب تم میری عہد شکنی کو جان لوگے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے سے باز نہیں آئے اور

عہد شکنی اور وعدہ خلافی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے لکھ مارا، بھلا بتایئے! کتنی جرأت کی بات ہے؟

یہودیت میں نبیوں کی شان میں گستاخی

یہودیت میں نبیوں کی شان میں گستاخی کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، خصوصاً حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت یعقوب، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی توہین سے ان کی کتاب بھری ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں تورات میں لکھا ہے کہ ''نوح شراب پی کر بدمست ہو گئے، ان کا ستر کھل گیا اور ان کے بیٹوں نے ڈھانکا''۔ (پیدائش باب ۱۹)۔

حضرت ''لوط'' علیہ السلام کے بارے میں تورات (پیدائش باب ۱۹ قراءت ۳۱) میں بڑی گھناؤنی بات لکھی ہے کہ ''بڑی بیٹی نے چھوٹی سے کہا کہ ابا بوڑھے ہو چکے ہیں اور زمین میں کوئی ہمارے پاس آنے والا نہیں ہے؛ اس لیے آؤ ان کو شراب پلا کر ساتھ لیٹتے ہیں اور ان کی اولاد سے نسل بناتے ہیں؛ چنانچہ بڑی بیٹی نے شراب پلا کر زنا کیا، نشے کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، پھر دوسرے دن دوسری بیٹی نے بھی یہی حرکت کی، پھر بڑی بیٹی کو حمل ہوا اور ''مواب'' نامی بچہ پیدا ہوا اسی سے ''موابین'' قوم وجود میں آئی اور دوسری بیٹی کو حمل ہوا تو اس سے ''ابن عمی'' پیدا ہوا ''بنوعمون'' اسی کی اولاد ہیں۔''

اور حضرت یعقوبؑ کو جھوٹا اور دھوکہ باز قرار دیا ہے، تورات (پیدائش باب ۲۷) میں ہے:
''حضرت یعقوب نے بکری کے بچوں کی کھال ہاتھ پر لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ کو دھوکہ دینے کے لیے اپنا نام ''عیص'' بتلایا۔''

اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو یہود نبی نہیں مانتے؛ بلکہ بادشاہ مانتے ہیں اور بہت بُری بُری باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں سموئیل کی دوسری کتاب (باب ۱۱) میں ہے: ''داؤد بام پر چڑھا ''حتی اوریا'' کی بیوی کو نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوا اور بلوا کر اس سے زنا کیا؛ جب وہ حاملہ ہوئی تو اس کے خاوند کو مکر (وفریب) سے مروا ڈالا۔''

غور کیجیے! کہ یہود کا کتنا بُرا تصور ہے؟ جو ''زبور'' (کتاب مقدس) میں موجود ہے، اس میں ایسے ایسے گھناؤنے قصّے بنا کر لکھے گئے ہیں کہ کوئی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ یہ وہی اللہ کی کتاب ہے جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی تھی۔

وہ قوم جو حضرت لوطؑ کی بیٹی سے زنا کے ذریعے پیدا ہوئی یعنی ''موابی اور عمونی'' ان دونوں

قوموں کی بت پرست عورتوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عشق کی کہانی بھی بنائی گئی ہے؛ یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مرتد ہونے کی بات بھی لکھ دی گئی ہے، ''اول سلاطین'' (باب ۱۵) میں لکھا ہوا ہے:

''حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود ممانعت کے مَوابی اور عَمونی بت پرست عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہشِ نفسانی کی یہ طغیانی ہوئی کہ سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی۔ پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مریدزن ہوے کہ ''بتولی'' کی طرف مائل ہوے اور آخری عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے۔''

ان مذکورہ بالا باتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ''یہودیت'' میں اللہ کی شانِ اقدس میں کتنی گستاخیاں موجود ہیں اور پیغمبروں کے بارے میں یہودیوں کے کتنے گستاخانہ الزامات ہیں؟ کیا اللہ اور رسول کے سلسلے میں اتنے گندے تصورات کے ساتھ کوئی آدمی نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کا جذبہ رکھے گا؟ یقیناً یہ سب تحریفات اور افسانے ہیں جو انھوں نے بنا رکھے ہیں۔

تفسیر قرآن میں اسرائیلیات

قرآن پاک کی تفسیروں میں اسرائیلیات کے درآنے کی وجہ یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیائے کرامؑ اور ان سے پہلے کے انبیائے کرامؑ کے نام اور ان میں سے چند کے قصے قرآن پاک میں ہیں؛ مگر مفسرین اس میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو اُن کو کہیں اور لکھا ہوا نہیں ملتا، بس یہودیوں کی کتابوں میں ہی جھوٹے سچے قصے ملتے ہیں؛ اس لیے ان کتابوں سے ہی بلاواسطہ اور اکثر بالواسطہ نقل کر لیتے ہیں، خاص طور سے تورات کی کتاب پیدائش سے حضرت آدم وحوا، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت ابراہیم واسحاق علیہم السلام وغیرہ کے قصّے نقل کر لیتے ہیں؛ حالاں کہ یہ مناسب نہیں؛ اس لیے کہ جو چیزیں ہمارے یہاں ہیں اُن کے لینے کی ضرورت نہیں اور جو مخالفِ اسلام ہیں اُن کا نقل کرنا جائز نہیں اور جو نہ موافق ہیں اور نہ موافق ان سے سکوت بہتر ہے کہ اُن کو نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

❊ ❊ ❊

فلسطین کے حقیقی باشندے اور اصلی حق دار

از: مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی
مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا، افریقہ

ارض موعود کی حقیقت:

آج کے یہودی یا نام نہاد بنی اسرائیل بے بنیاد دعوے کی بنا پر فلسطین کو قبضہ کر چکے ہیں۔ ان کا دعوی ہے کہ وہ فلسطین کے اصلی حقدار ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے فلسطین کی زمین کا وعدہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین کو یہودی لوگ "ارض موعود" اور انگریزی زبان میں (The Promised Land) یعنی ''وہ زمین جس کا وعدہ کیا گیا'' کہتے ہیں۔ پھر وہ اپنی تاریخ کو ارض فلسطین سے اس طرح جوڑتے ہیں کہ ان کے جدّامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ زمین عنایت کی گئی تھی، ایک زمانے میں یہودی اس سرزمین پر پائے جاتے تھے، اس سرزمین پر ایک مدت تک ان کے آبا، واجداد نے حکومت کی، اسی سرزمین پر ان کا ہیکل تعمیر ہوا تھا، اسی سرزمین پر حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر ہے، اسی سرزمین پر مسجد اقصی کے مغرب میں ان کا مقدس ''دیوار گریہ'' ہے، ان کا اس سرزمین سے روحانی تعلق ہے اور وہ سرزمین ان کے لیے مقدس ہے وغیرہ وغیرہ۔ آج کی دنیا میں جس طرح بہت سے دوسرے افکار ونظریات اور تہذیب وتمدن کے پیروکاروں کو اپنے افکار نظریات اور عقائد کو بیان کرنے کی کھلی آزادی ہے، اسی طرح یہودیوں کو بھی اپنے افکار ونظریات اور عقائد بیان کرنے کا پورا حق اور آزادی ہے؛ مگر انھیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے افکار ونظریات دوسرے پر تھوپیں اور ان کا دوسروں کو پابند کریں۔ کسی بھی دین اور ملت کے ماننے والے اور اسی طرح یہودیوں کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے افکار اور عقائد کی بنیاد پر، کسی قوم کو ان کے گھروں سے نکال دیں، ان کی عبادت گاہوں پر قبضہ کرلیں، ان کی موروثی زمین کو ہڑپ لیں، ان کے مکان ودوکان کو غصب کرلیں اور وہاں مکانات تعمیر کر کے اپنے دین وعقائد کے ماننے

والوں کے حوالے کردیں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے؛ تو یہ اخلاقی، سماجی اور قانونی طور پر جرم ہے۔

یہودیوں کا یہ ماننا ہے کہ اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے فلسطین کی زمین کا وعدہ کیا تھا، اس کی بنیاد یہ اقوال ہیں: ''اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ اپنے وطن، اپنے لوگ اور والد کے خاندان کو چھوڑ دو اور اس جگہ جاؤ جو میں تمھیں دکھاؤں گا۔'' (Genesis: 12:1) نیز یہ کہ ''اللہ تعالی سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوئے اور کہا: میں یہ ملک تیری اولاد کو دوں گا۔'' (Genesis:12:7) ''ان عبارتوں کے علاوہ بھی تورات میں پائے جانے والی چند دوسری عبارتوں کے سہارے یہودی فلسطین کو ''ارض موعود'' کہتے ہیں اور اس پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ ارض موعود کی حقیقت کے حوالے سے عیسائیوں کے پوپ اعظم کا یہ نظریہ ہے کہ وہ وعدہ نہایت ہی مشکوک ہے۔ عیسائی اسکالرز کا ماننا ہے کہ بائبل میں جو وعدہ ہے، وہ بہت سی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے؛ مگر یہودیوں نے اللہ کی نافرمانی کی، ان شرطوں کو پورا نہیں کیا اور اس سرزمین پر بداعمالیاں شروع کردی؛ چناں چہ اللہ تعالی نے یہودیوں کو سزا دی؛ لہٰذا اب اس وعدے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: القدس قضیۃ کل مسلم للدکتور یوسف القرضاوی، ص:۷۶-۸۰)

بنی اسرائیل کا فلسطین میں داخل ہونے سے انکار اور اس پر سزا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل اڑیل، سرکش، مجرم اور بدبخت لوگ تھے۔ انھوں نے نہ صرف سیدنا موسی علیہ السلام کے بعد؛ بلکہ ان کی زندگی میں بھی ان کی نافرمانی کی اور احکام خداوندی کو ماننے سے انکار کیا۔ بنی اسرائیل کے لیے مصر میں حالات سازگار نہیں تھے۔ مصر کے حکمراں فرعون نے ان کو غلام بنا رکھا تھا۔ انھوں نے مصر میں چار سو تیس سال کی مدت بڑی کسمپرسی میں گذاری۔ پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالی نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کردیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ فلسطین میں جاکر آباد ہوجائیں، جو ان کے لیے مقدر کردی گئی ہے۔ (مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے فلسطین کو ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل کے لیے ''ارض موعود'' بنایا ہے اور وہ ہمیشہ فلسطین میں رہیں گے، جیسا کہ یہودیوں کا ماننا ہے۔) اس وقت فلسطین پر جس قوم کا قبضہ تھا، وہ عمالقہ سے جانی جاتی تھی اور وہ کافر تھی۔ چناں چہ بنی اسرائیل کو ان سے جہاد کرنا تھا۔ اللہ تعالی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ جہاد میں بنی اسرائیل کو فتح ہوگی۔ سیدنا موسی علیہ السلام اس حکم کے مطابق فلسطین کے لیے روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ فلسطین کے قریب پہنچے؛ تو پتہ چلا کہ عمالقہ بڑے ڈیل ڈول کے مالک اور طاقتور لوگ ہیں؛ چناں چہ بنی اسرائیل کو شکست کا خدشہ ہوا اور یہ فراموش کرگئے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل

کو فتح کا وعدہ کیا ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہوکر رہے گا؛ چناں چہ بنی اسرائیل نے فلسطین میں داخل ہونے سے انکار کردیا اور اس پر ان کو سزا دی گئی۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فلسطین کی طرف چلنے کو کہا؛ تو بنی اسرائیل نے ان کو جو جواب دیا، ملاحظہ فرمائیں: (قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ). (مائدہ:۲۴) ترجمہ: وہ (بنی اسرائیل) کہنے لگے ''اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ اس (ملک) میں موجود ہیں، ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے۔ (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا ربّ چلے جاؤ اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔'' بنی اسرئیل کے اس بھونڈے جواب اور نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ سزا یہ تھی کہ چالیس سال تک فلسطین میں ان کا داخلہ بند کردیا گیا۔ یہ لوگ صحرائے سینا کے ایک چھوٹے سے علاقے یعنی میدان تیہ میں بھٹکتے رہے۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے مصر واپس جانے کا۔ وہ دن بھر چلتے، جب شام ہوتی؛ تو پھر وہ اسی مقام پر پہنچ جاتے، جہاں سے صبح چلے تھے۔ قرآن کریم میں ہے: (قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ). (مائدہ:۲۶) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کہا ''اچھا! تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کردی گئی ہے۔ یہ (اس دوران) زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ تو (اے موسیٰ!) اب تم بھی ان نافرمان لوگوں پر ترس مت کھا۔'' قرآن کریم نے فلسطین میں بنی اسرائیل کے داخل ہونے سے انکار، ان کی نافرمانی اور اس پر ان کو دی جانے والی سزا کو ان دو مذکورہ آیتوں میں بیان کیا ہے۔

سات سو سال تک بنی اسرائیل فلسطین میں ایک بالشت زمین کے بھی مالک نہیں تھے:

یہ بات قابل ذکر ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے وقت سے لے کر، سیدنا اسحاق علیہ السلام کا زمانہ، پھر یعقوب علیہ السلام کا زمانہ، پھر ان کا اپنے کنبہ کے ساتھ مصر ہجرت کرنا، پھر بنی اسرائیل کا چار سو تیس سال بعد، فلسطین کے لیے لوٹنا اور سزا کے طور پر چالیس سالوں تک صحرائے سینا، کے میدان تیہ میں بھٹکنا، یہ تقریباً ''سات سو سال'' کا لمبا عرصہ ہے۔ تورات کی وضاحت کے مطابق اس مدت میں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور بنی اسرائیل فلسطین کی زمین کے ایک بالشت کے بھی مالک نہیں تھے۔ یہ ایک اہم سوال ہے کہ اگر فلسطین بنی اسرائیل کے لیے ''ارض موعود'' ہے؛ تو پھر اتنے لمبے عرصے تک وہ فلسطین کی زمین کے ایک بالشت کے بھی مالک کیوں نہیں بن سکے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسافر اور اجنبی بن کر آتے جاتے رہے اور بوقت ضرورت وہ فلسطین میں پناہ لیتے

رہے۔اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ مسافر جس مقام کا سفر کرتا ہے یا پناہ گزیں جس مقام پر پناہ لیتا ہے، وہ اس جگہ کا مالک نہیں بن جاتا۔(القدس قضیۃ کل مسلم،ص:۵۰-۵۱)

فلسطین پر یہودیوں کا حق نہیں:

فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کا حق نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو اس وقت دی گئی تھی؛ جب کہ انھوں نے اللہ کے نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کی قیادت میں، اللہ کی وحدانیت کا جھنڈا بلند کیا اور توحید ورسالت پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔ جب وہ توحید ورسالت کے پیغام سے منحرف ہوگئے، پیغام خداوندی کو بدل دیا، متعدد انبیاء علیہم السلام کا قتل کیا اور زمین میں فساد مچایا؛ تو ان کی ذلت وپستی شروع ہوئی۔ان کو فلسطین سے ذلیل کر کے نکالا گیا۔ان کو اس وقت کے کچھ حکمرانوں نے غلام بنایا اور بیت المقدس سے باہر نکال دیا۔ یہ ایک طرح کی سزا تھی جو بنی اسرائیل کو اس زمانے میں دی گئی۔ پھر فلسطین پر یہودیوں کا کوئی حق نہیں رہا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اصل پیروکار مسلمان:

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے بعد، مسلمان اللہ کی وحدانیت کے سچے علم بردار اور انبیائی میراث کے حقیقی وارث ہیں۔مسلمان وہ واحد امت ہے جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتی ہے اور انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعوت وتعلیمات لوگوں تک پہنچا رہی ہے۔ اسلام کی دعوت درحقیقت سیدنا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسی، یوشع، داؤد، سلیمان، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا استمرار وامتداد ہے؛ چناں چہ بنی اسرائیل کا ان انبیاء کرام کی دعوت سے منحرف ہوجانے کے بعد، اب ان کی میراث کے سب سے زیادہ مستحق مسلمان ہیں۔ یہ اہم نکتہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین بنی اسرائیل کو کسی خاص نسل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نہیں دی گئی؛ چناں چہ فلسطین کی سرزمین پر حق جتانے کا مسئلہ رنگ ونسل سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ یہ مسئلہ ان انبیاء کرام کے منہج اور طریقہ کار کی پیروی سے متعلق ہے؛ چناں چہ مسلمانوں کا یہ ماننا ہے کہ ان انبیاء (علیہم السلام) کا سرمایہ مسلمانوں کا سرمایہ ہے، ان کا دعوتی کام مسلمانوں کا دعوتی کام ہے، ان کی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ ہے اور اللہ تعالی نے اس مقدس سرزمین پر حکمرانی کا جو موقع ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے پیروکاروں کو دیا، اب مسلمان اس سرزمین پر حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں؛ کیوں کہ آج سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اصل پیروکار مسلمان ہیں۔ جو لوگ آج اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں، وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا

نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ). (آل عمران:۶۸،۶۷) ترجمہ: ''ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔ ابراہیم کے تعلق سے سب سے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں، جنھوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ: ''یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے؛ اس لیے ہم یہودیت کو نہیں چھوڑ سکتے، عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عیسائی قرار دیتے تھے، یہ دونوں باتیں صریحاً عقل کے اور مسلمہ تاریخی حقائق کے خلاف تھیں؛ کیوں کہ یہودیت اور عیسائیت کا تو وجود ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیوں بعد ہوا ہے، قرآن کریم نے یہاں اس نادانی پر متنبہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے علمبردار اور شرک سے متنفر اور بیزار تھے۔ اگر تم واقعی اسوۂ ابراہیمی کو اختیار کرنا چاہتے ہو؛ تو اس دین توحید کا دامن تھام لو، جس کی دعوت محمد رسول اللہ دے رہے ہیں۔'' (آسان تفسیر قرآن، حصہ اول، ص:۲۴۷)

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ سیدنا ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کیا وصیت کی تھی اور کیا آج کے یہودی اس وصیت پر عمل کررہے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: (وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ). (بقرہ:۱۳۲) ترجمہ: ''اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دین تمہارے لیے منتخب فرمایا ہے؛ لہٰذا تمھیں موت بھی آئے، تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی امامت وقیادت کا حقدار:

قرآن کریم کی مزید ایک آیت کریمہ کی تلاوت کیجیے اور ذرا غور کیجیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی امامت وقیادت اور میراث کا مستحق ہونے کے لیے، صرف ان کی نسل سے ہونا کافی ہے یا ان کی پیروی کرنا ضروری ہے؟ قرآن کریم میں ہے: (وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ). (بقرہ:۱۲۴) ترجمہ: ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا اور انھوں نے وہ ساری

باتیں پوری کیں۔ اللہ نے ان سے کہا: ''میں تمھیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں''۔ ابراہیم نے پوچھا: ''اور میری اولاد میں سے؟'' اللہ نے فرمایا: ''میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے۔''

آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں درج ہے:..... ''دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام)۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت کا سلسلہ انھیں کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں چلا آ رہا تھا، جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ دنیا بھر کی پیشوائی کا حق صرف انھیں کو حاصل ہے۔ کسی اور نسل میں کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو ان کے لیے واجب الاتباع ہو۔ قرآن کریم نے یہاں یہ غلط فہمی دور کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا ہے کہ دینی پیشوائی کا منصب کسی خاندان کی لازمی میراث نہیں ہے اور یہ بات خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صریح لفظوں میں کہہ دی گئی تھی۔ انھیں جب اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمالیا اور یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر بڑی سے بڑی قربانی کے لیے ہمیشہ تیار رہے، انھیں توحید کے عقیدے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا، انھیں وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، انھیں اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے کو مکہ کی خشک وادی میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا اور وہ بلا تامل یہ ساری قربانیاں دیتے چلے گئے، تب اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا بھر کی پیشوائی کا منصب دینے کا اعلان فرمایا۔ اسی موقع پر جب انھوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا؛ تو صاف طور پر بتلا دیا گیا کہ ان میں جو لوگ ظالم ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں گے، وہ اس منصب کے حق دار نہیں ہوں گے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں آزمانے کے بعد ثابت یہ ہوا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ قیامت تک پوری انسانیت کی دینی پیشوائی ان کو دی جائے۔ اس لیے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بھیجے جا رہے ہیں جن کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ وہ اہلِ مکہ میں سے بھیجے جائیں۔ اب چونکہ دینی پیشوائی منتقل کی جا رہی ہے، اس لیے اب قبلہ بھی اس بیت اللہ کو بنایا جانے والا ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔'' (آسان ترجمۂ قرآن تشریحات کے ساتھ، ج:۱، ص:۹۴)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ اطلاع دی کہ ''امامت و قیادت'' ان کی نسل اور کنبے میں سے ظالموں اور نافرمانوں کو نہیں دی جائے گی۔ آج جو

خودکو بنی اسرائیل میں سے کہتے ہیں، وہ خدائی فرمان کے نافرمان ہیں؛ جب کہ مسلمان اللہ کے فرمان پر عمل کرنے والی امت ہے؛ لہٰذا ان کی امامت وقیادت کا حقدار مسلمان ہوگا۔

عرب مسلمان بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں:

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا، وہ ان کی نسل سے متعلق لوگوں کے لیے ہے؛ تو پھر تو بنی اسرائیل کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اسے اپنی ذات تک محدود رکھیں؛ کیوں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایک لڑکے سیدنا اسماعیل علیہ السلام بھی تھے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل بھی اس وعدے کی مستحق ہوئی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کیا گیا۔ پھر وہ سارے عرب بھی اس وعدے کے مستحق ہوئے جو اپنے جدا کبر عدنان کے واسطے سے اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اسی عدنانی خاندان سے قریش ہے اور اسی قبیلہ قریش سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور آج کے مسلمان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ اس سرزمین فلسطین کا وعدہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت کیا گیا تھا، جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی اور ان کو یہ وعدہ اسماعیل علیہ السلام کی طہارت وپاکیزگی کے وقت کیا گیا تھا اور ان کی پیدائش کے چودہ سال بعد، سیدنا اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی؛ چناں چہ اس اعتبار سے بھی عرب اس وعدے کے زیادہ مستحق ہیں؛ کیوں کہ اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام عربوں کے بھی جدامجد ہیں۔ یہی نہیں؛ بلکہ قرآن کریم نے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سارے مسلمانوں کے باپ کے طور پر پیش کیا ہے: (هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا).... (الحج:۷۸) ترجمہ: ''اس نے تمھیں (اپنے دین کے لیے) منتخب کرلیا ہے اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا اور اس (قرآن) میں بھی....''

عرب فلسطین کے اصل باشندے:

جہاں تک فلسطین کی سرزمین پر حکمرانی کا تعلق ہے؛ تو بنی اسرائیل کی حکومت فلسطین میں ایک معمولی مدت کے لیے رہی ہے اور اس میں اہم مدت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے اقتدار کی مدت ہے۔ اب رہی بات فلسطین پر مسلمانوں کے اقتدار کی؛ تو وہ زمانۂ خلافت عمری یعنی سن ۶۳۶ عیسوی

سے تقریباً ۱۹۱۷ عیسوی تک رہی۔ اس طویل مدت میں، ۸۸؍سال تک صلیبیوں کی حکومت رہی۔ اس ۸۸؍سالہ مدت کو نکالنے کے بعد، مسلمانوں نے فلسطین پر تقریباً بارہ صدیوں تک حکومت کی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہودیوں کی بڑی تعداد فلسطین سے سن ۱۳۵ عیسوی میں ہجرت کرگئی۔ جس وقت فلسطین مسلمانوں کے زیر تسلط آیا، اس وقت وہاں کوئی یہودی نہیں تھا۔ اس طرح تقریباً اٹھارہ صدیوں تک فلسطین سے یہودیوں کا کوئی تعلق نہیں رہا؛ جب کہ عرب فلسطینی یہودیوں سے پہلے، ان کے ساتھ، پھر ان کے بعد بھی فلسطین کے باشندے رہے اور اب بھی ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں، حکومت برطانیہ کے فلسطین پر مینڈیٹ کی مدت میں، ایک سازش کے تحت، یہودیوں کو دوسرے ممالک سے لاکر، فلسطین میں بسایا جانے لگا۔ عرب لوگ تقریباً ساڑھے چار ہزار سال سے فلسطین میں رہتے آرہے ہیں اور انھوں نے اس سرزمین کو چھوڑ کر کسی مقام کی ہجرت نہیں؛ چناں چہ عرب فلسطین کے اصل باشندے ہیں۔ جب سن ۱۹۴۸ء میں، غاصب قابض صہیونی ریاست کے قیام کا وقت آیا؛ تو صہیونیوں نے ظلم و جبر کی ساری حدیں پار کردیں اور فلسطینیوں کی ایک بڑی تعداد کو ہجرت کے لیے مجبور کیا۔ صہیونیوں نے جن فلسطینیوں کو سن ۱۹۴۸ عیسوی میں مجبور کرکے، فلسطین سے بھگایا، وہ آج بھی اپنے حق سے دست بردار نہیں ہوئے ہیں؛ بلکہ وہ منتظر ہیں کہ انھیں موقع ملے اور وہ اپنے وطن فلسطین واپس آئیں۔

آج کے یہودیوں کا بنی اسرائیل اور فلسطین سے کوئی تعلق نہیں:

تاریخی اعتبار سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا آج کے یہودی وہی بنی اسرائیل ہیں جن کے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں؟ اس سوال کا مختصر جواب ہے ''نہیں''۔ یہ اس لیے کہ بعض یہودی محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آج کے اسّی فیصد سے زیادہ یہودیوں کا بنی اسرائیل یا فلسطین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان میں ایک آرتھر کوسٹلر جیسے یہودی مورخ بھی ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب: (The Thirteenth Tribe: The Khazar Empire & Its Heritage) یعنی ''تیرہواں قبیلہ: خزر سلطنت اور اس کا ورثہ'' لکھی ہے۔ یہ کتاب سن ۱۹۷۶ عیسوی میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف کوسٹلر نے یہ ثابت کیا ہے کہ اشکنازی یہودی کا نسب خزر قوم سے ہے۔ اس کتاب میں یہ نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ ''اشکنازی یہودی'' قدیم زمانے کے بنی اسرائیل سے نہیں ہے؛ بلکہ ان کا تعلق خزر قوم سے ہے، جو ایک قدیم تاتاری ترکی قوم ہے۔ کوسٹلر کی یہ تحقیق ہے کہ خزر قوم نے آٹھویں صدی عیسوی میں یہودیت قبول کی۔ جب بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں،

خزر سلطنت کا خاتمہ ہورہا تھا؛ تو یہ لوگ جنوبی روس اور مشرقی یورپ کی طرف ہجرت کر گئے۔ چناں چہ اگر انھیں اپنے وطن اصلی کی تلاش ہے؛ تو ان کو جنوبی روس جانا چاہیے۔ (القضية الفلسطينية خلفياتها التاريخية و تطوراتها المعاصرة للدكتور محسن محمد صالح، ص:۲۷)

خلاصۂ بحث:

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں کا یہ دعوی کہ فلسطین ارض موعود ہے، عیسائی اسکالرز کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ بنی اسرائیل سرکش اور نافرمان لوگ تھے، انھوں نے اللہ اور اس کے نبیوں اور رسولوں کی نافرمانی کی اور اللہ نے ان کو سزا دی۔ اللہ تعالی نے فلسطین کی سرزمین بنی اسرائیل کو اس وقت دی؛ جب انھوں نے انبیاء ورسل علیہم السلام کی قیادت میں توحید کا جھنڈا بلند کیا اور جب انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی؛ تو وہ اس سرزمین کے مستحق نہیں رہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد، مسلمان اللہ کی وحدانیت کے سچے علم بردار ہیں؛ چناں چہ وہ انبیائی میراث اور سرزمین فلسطین کے حقیقی وارث ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی امامت وقیادت اور میراث کا مستحق ہونے کے لیے، ان کی نسل سے ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ان کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کے جدامجد ہیں، اسی طرح ان عربوں کے بھی جدامجد ہیں جو اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ فلسطین پر بنی اسرائیل نے ایک مختصر مدت کے لیے حکومت کی؛ جب کہ مسلمانوں نے تقریبا بارہ صدیوں تک حکومت کی۔ آج جو لوگ خود کو یہودی ہونے کا دعوی کرتے ہیں، ان میں اسّی فیصد سے زیادہ لوگ بنی اسرائیل سے نہیں ہے؛ بلکہ ان کا تعلق ''خزر'' سے جو ایک قدیم تاتاری ترکی قوم تھی جس نے آٹھویں صدی عیسوی میں یہودیت قبول کی۔ کنعانیوں کی اولاد یعنی عرب فلسطین کے حقیقی باشندے اور اصل حقدار ہیں؛ کیوں کہ وہ ساڑھے چار ہزار سال سے فلسطین میں رہتے آرہے ہیں۔

* * *

''مغربی فکر وفلسفہ'' کا تعارف

خطاب: حضرت مولانا زاہدالراشدی مدظلہ

۲۲؍جنوری ۲۰۲۴ء کو شیخ الہندؒ اکادمی واہ کینٹ میں خطاب

مرتب: حافظ خرم شہزاد

بعد الحمد و الصلوٰۃ.

شیخ الہندؒ اکادمی واہ کینٹ میں وقتاً فوقتاً حاضری کا موقع ملتا رہتا ہے۔ میں اکادمی کے منتظمین کا شکرگزار ہوں کہ ایک بار پھر موقع ملا اور ہم آپس میں کچھ دینی، علمی اور فکری مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے مل بیٹھے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی ہمارا مل بیٹھنا قبول فرمائیں، کچھ مقصد کی باتیں کہنے سننے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو بات بھی علم اور سمجھ میں آئے اللہ پاک عمل کی توفیق سے نوازیں، آمین

مجھے کہا گیا ہے کہ مغربی فلسفہ کے تعارف پر بات کرنی ہے۔ میں روایتی انداز سے بالکل ہٹ کر (۱) مغربی فکر وفلسفہ کیا ہے؟ (۲) اس نے کیا رول ادا کیا ہے اور (۳) انسانی سوسائٹی کو کیا نتیجہ دیا ہے؟ ان تین پہلوؤں سے متعلق گزارش کرنا چاہوں گا۔

مغربی فکر وفلسفہ جس پر مغرب کے سارے سسٹم، نظام اور سب قوانین کا مدار ہے، اگر میں قرآن مجید کے حوالے سے بات کروں تو قرآن پاک نے ایک آیت کریمہ میں ساری کہانی بیان کردی ہے۔ مغرب کے فکر وفلسفہ کی بنیاد کیا ہے؟ قرآن پاک کہتا ہے: ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس۔ (یہ نہیں پیروی کرتے مگر ظن کی اور جو انسانوں کا جی چاہتا ہے اس کی) یہ دو بنیادیں ہیں: ظن اور خواہش۔

عقل اور انسانی خواہش مغربی فکر وفلسفہ کی بنیاد ہے۔ وہ چاہے ایک فرد کی خواہش ہو، یا ایک سوسائٹی، قوم، سماج یا طبقے کی خواہش ہو۔

اس سے پہلے ایک بات میں عرض کرنا چاہوں گا کہ عقل اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ

پاک نے ہمیں عقل دی ہوئی ہے، اسے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، غور وفکر کی دعوت دی ہے اور انسان کا اپنے معاملات طے کرنے اور چلانے میں عقل بہت بڑی معاون بھی ہے جو استعمال ہوتی آرہی ہے؛ لیکن عقل کبھی بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتی، نہ شخصی عقل اور نہ اجتماعی عقل۔ عقل نے آج تک جتنے فیصلے کیے سب میں پیشرفت ہوئی ہے، نظر ثانی کرنا پڑی ہے اور سوچ میں کہیں بریک نہیں ہے۔ عقل ایک صلاحیت کا نام ہے، گویا بہت اچھا کمپیوٹر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دیا ہے، سوسائٹی اس میں جو کچھ فیڈ کرتی ہے وہ اس کے مطابق فیصلہ دیتا ہے، عقل اپنی طرف سے کچھ نہیں دیتی۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کمپیوٹر خالی ہوتا ہے۔ اس کے بعد گھر سے فیڈنگ شروع ہوتی ہے اور سوسائٹی، اسکول اور کالج سے فیڈنگ ہوتی رہتی ہے، وہ اسی کے مطابق نتائج دیتا ہے۔ اس کمپیوٹر میں آپ جو پروگرام بھی فیڈ کریں گے اس کے مطابق نتیجہ آئے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ آپ نے فیڈ کچھ اور کیا ہو اور وہ نتیجہ کچھ اور دے۔ کوئی بھی کمپیوٹر خود کچھ نہیں دیتا، جو اس میں فیڈنگ ہوتی ہے، جس لیول کا پیکیج یا پروگرام اس میں فیڈ ہوتا ہے وہ اس کے مطابق نتیجہ دیتا ہے۔ آج تک عقل نتیجہ دیتی چلی آرہی ہے اور قیامت تک دیتی رہے گی؛ لیکن عقل کا کوئی فیصلہ حتمی ہونا ممکن نہیں ہے۔

آپ بیسیوں دائرے دیکھ لیں۔ آج سے سو سال پہلے کا فیصلہ اور تھا، پچاس سال پہلے کا فیصلہ اس سے مختلف تھا، آج کا فیصلہ اور ہے، آج سے پچاس سال بعد کا فیصلہ آج سے مختلف ہوگا کیوں کہ معلومات میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور جب معلومات میں اضافہ ہوگا تو نتائج بدلتے رہیں گے۔ معلومات میں اضافے کا دروازہ بند ہوا ہے اور نہ بند ہوسکتا ہے۔ عقل زیادہ سے زیادہ ظن غالب کا فائدہ دیتی ہے۔ عقل بہت اچھی نعمت ہے اور فیصلوں تک پہنچنے میں ہماری بڑی معاون ہوتی ہے، لیکن قرآن پاک کیا کہتا ہے؟ ایک فیکٹر یہ ہے کہ عقل کا نتیجہ یقین ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے، عقل ظن غالب تک کا فائدہ دیتی ہے۔ ظن غالب یقین سے ایک درجہ نیچے ہوتا ہے۔ منطقی یہ ترتیب بیان کرتے ہیں: وہم، خیال، ظن اور یقین۔ پہلے تین درجے عقل کے ہیں آخری درجہ وحی کا ہے۔ وہم عقل میں آتا ہے، وہ خیال کی شکل پکڑنے سے خیال ہوجاتا ہے، برابر ہوجائے تو شک کہلاتا ہے، غالب ہوجائے تو ظن غالب اور اس کے بعد یقین کا درجہ ہے۔ پہلے چاروں درجے عقل کے ہیں اور عقل ہی دیتی ہے؛ لیکن اللہ رب العزت نے یہ فرمایا کہ عقل زیادہ سے زیادہ ظن غالب کا فائدہ دیتی ہے۔ نیز عقل اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے؛ لیکن عقل معاون ہے اتھارٹی نہیں ہے۔ عقل اس لیے ہے کہ ہم اسے استعمال کریں، اس لیے نہیں ہے کہ عقل ہمیں استعمال کرے۔ ہمیں عقل استعمال کرنے کے

لیے دی گئی ہے، عقل کے ہاتھوں استعمال ہونے کے لیے نہیں دی گئی۔

دوسری بات فرمائی وما تھوی الانفس "جو انسانوں کے جی چاہتے ہیں وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔" آج کے تمام تر فلسفے کی بنیاد دو پہیوں پر ہے "سوسائٹی کیا سوچتی ہے اور سوسائٹی کیا چاہتی ہے۔" سوسائٹی کی خواہش اور سوچ کو معلوم کرنے کا ذریعہ ووٹ ہے۔ جمہوریت خود کوئی سسٹم نہیں ہے، جمہوریت سوسائٹی کی خواہش بتاتی ہے کہ سوسائٹی یہ سوچتی ہے اور یہ چاہتی ہے۔ خواہش کی بھی نفی نہیں ہے۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے خواہشات رکھی ہیں؛ لیکن اس کی حدود ہیں۔ اللہ رب العزت نے دونوں بنیادیں بیان فرمائیں کہ لوگ ظن غالب یا سوسائٹی کی خواہش کی پیروی کرتے ہیں کہ سوسائٹی یہ چاہتی ہے، اس کے بعد فرمایا: "ولقد جاءھم من ربھم الھدی" لیکن یقین اور ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ قرآن مجید نے فکری جنگ کی ساری بنیاد یہ بیان کر دی ہے۔ آج فیصلے اسی پر ہوتے ہیں کہ سوسائٹی کیا چاہتی ہے اور سوسائٹی کیا سوچتی ہے؟ سوسائٹی کی سوچ کا نتیجہ ظن ہے؛ لیکن ہدایت اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

یہ میں نے بنیاد بیان کی ہے۔ پریکٹیکل کیا ہوا ہے؟ فلسفہ نے پریکٹیکل کیا کیا، اس پر ایک حدیث مبارکہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا جو خطبہ ارشاد فرمایا، جو کہ کئی خطبات کا مجموعہ ہے۔ میں نوجوانوں سے کہا کرتا ہوں کہ اسے ایک دفعہ اسٹڈی کریں۔ اس کا صرف مطالعہ نہیں؛ بلکہ اسٹڈی کرلیں گے اور گہرائی سے پڑھ لیں گے تو بہت سی باتیں سمجھ آ جائیں گی۔ اس خطبہ حجۃ الوداع میں ایک جملہ یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں کھڑے ہو کر فرمایا "کل امر الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی" آج جاہلیت کی ساری قدریں میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ یہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی تئیس سالہ محنت کے نتیجے کا اعلان کیا ہے اور یہ کہہ کر کیا ہے "ھل بلغت" کیا میں نے بات پوری کر دی ہے؟ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر فرمایا یا اللہ! آپ گواہ رہنا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ "فزت ورب الکعبۃ" رب کعبہ کی قسم! میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس موقع پر یہ جملہ ارشاد فرمایا "کل امر الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی" آج جاہلیت کی ساری قدریں میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ یعنی میں جاہلیت کی قدروں کو روند کر آگے بڑھ رہا ہوں۔ اس وقت آپ کے پاؤں کے نیچے کون سی قدریں تھیں جنہیں آپ ﷺ نے روند دیا۔ جب حضور ﷺ منیٰ کے میدان میں ڈیڑھ لاکھ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرما رہے تھے کہ جاہلیت کی ساری قدریں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں تو

ہمیں نظر ڈالنی چاہیے کہ آپ کے پاؤں کے نیچے کیا کیا تھا؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر پہلا اعلان کیا تھا: "یا ایھا الناس"، محض عربوں اور قریشیوں کو خطاب نہیں کیا تھا بلکہ ایھا الناس کہا تھا۔ صفا منیٰ کے قریب ہی ہے، صرف دس کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ صفا پہاڑی پر پہلی آواز سے لے کر حجۃ الوداع کے آخری خطبہ تک عرب معاشرہ میں کون کون سی قدریں ختم ہوئیں ان کی فہرست پر نظر ڈال لیں۔

جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پہ کھڑے ہو کر پہلی بار "ایھا الناس" کا اعلان کر رہے تھے تو آپ کے چاروں طرف بت ہی بت تھے۔ اساف اور نائلہ نامی بت صفا اور مروہ پر کھڑے تھے، بیت اللہ کے اندر اور باہر بت تھے؛ لیکن جب حضور نبی کریم ﷺ "کل امر الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی" فرما رہے تھے اس وقت پورے جزیرۃ العرب میں کوئی بت خانہ نہیں تھا۔ یہ پہلی جاہلی قدر ہے جو آپ ﷺ کے پاؤں کے نیچے آئی۔ اس بائیس سال کے عرصہ میں پورے جزیرۃ العرب میں کوئی بت خانہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

دوسری جاہلی قدر جس کا آنحضرت ﷺ نے خاتمہ کیا وہ نسلی اور لسانی عصبیت ہے کہ قریش اور غیر قریش برابر نہیں، کالا اور گورا برابر نہیں، ہاشمی اور غیر ہاشمی برابر نہیں ہیں۔ بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل، رنگ اور زبان کے امتیاز کو اس عرصے میں ختم کر دیا تھا۔ اس سے ایک سال پہلے کی بات ہے، اس منظر پر نظر ڈال لیں کہ جب مکہ فتح ہوا، اس کی ریاستی اوپننگ پہلی اذان کے ساتھ ہو رہی تھی۔ پہلی اذان خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر حضرت بلالؓ سے دلوائی، جنہیں کبھی خانہ کعبہ کے نیچے کھڑے ہونے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ جب حضرت بلالؓ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دے رہے تھے تو ایک قریشی سردار نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے کہ میری ان پر نظر نہ پڑے اور آنکھوں پر ہاتھ رکھے رکھے مسجد سے باہر نکل گیا یہ کہتے ہوئے کہ میرے باپ! تو کتنا خوش قسمت ہے کہ یہ منظر دیکھنے سے پہلے دنیا سے چلا گیا ہے کہ ایک کالا غلام بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دے رہا ہے۔ وہ قریشی سردار بعد میں مسلمان ہو گئے؛ لیکن میں نے ایک جھلک عرض کی ہے کہ کس درجہ کی نسلی اور لسانی عصبیت موجود تھی جس کا حضور ﷺ نے خاتمہ کیا۔

تیسری جاہلی قدر یہ تھی کہ اس معاشرے میں زنا عام تھا۔ رضامندی کا زنا قانوناً جائز تھا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر "کل امر الجاھلیۃ موضوع تحت

قدمی" کہا اس وقت زنا کی گنجائش کا کوئی پہلو باقی نہیں رہ گیا تھا۔

عرب معاشرے میں شراب عام تھی، غزوہ احد تک سبھی پیتے رہے۔ جب شراب حرام ہوئی اور اسے ختم کیا تو پورے جزیرۃ العرب میں کوئی مے خانہ باقی نہیں تھا۔

جوّا، بیت اللہ اور مسجد حرام میں مذہب کے نام پر کھیلا جاتا تھا۔ اس کا بھی آنحضرت ﷺ نے خاتمہ فرمادیا۔

اس معاشرے میں سود کا لین دین کیا جاتا تھا۔ جب سود کی حرمت کا اعلان کیا گیا تو ان کی طرف سے اس کے جواز پر وہی دلیل پیش کی گئی جو آج پیش کی جاتی ہے "انما البیع مثل الربٰو" کہ سود اور بیع میں کیا فرق ہے؟ دونوں بزنس ہیں۔ ایک چیزوں کا بزنس ہے اور دوسرا پیسوں کا بزنس ہے لیکن حضور ﷺ نے اسے قائم نہیں رہنے دیا۔

جاہلی معاشرے میں عریانی اس حد تک تھی کہ مرد اور عورتیں بیت اللہ کا طواف ننگے ہوکر کرتے تھے۔ عورتوں نے لنگوٹی پہنی ہوتی تھی، مرد بالکل ننگے طواف کرتے تھے اور اسے فخر سمجھتے تھے، اسے نیچر کہا جاتا تھا کہ ہم اللہ کے ہاں سے اسی حالت میں آئے تھے تو اللہ کے گھر اسی حالت میں واپس جائیں گے۔ اس کو بھی حضور نبی کریم ﷺ نے ختم فرمادیا۔

اس معاشرے میں ہم جنس پرستی بھی عام تھی، جس کا حضور نبی کریم ﷺ نے خاتمہ فرمایا۔

ان جاہلی اقدار کی بہت لمبی فہرست ہے جن کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کل امر الجاھلیة موضوع تحت قدمی" میں ان اقدار کی فہرست آپ پر چھوڑتے ہوئے کہ آپ تلاش کریں کون کون سی قدریں ختم ہوئی تھیں، اس نکتے کی طرف آنا چاہتا ہوں کہ مغرب نے صرف یہ کیا ہے کہ ان جاہلی اقدار کو نئے روپ میں واپس لے آیا ہے۔ جاہلیت کی وہ ساری رسمیں جنہیں حضور نبی کریم ﷺ نے پاؤں تلے روند کر کوڑے میں پھینکا تھا، وہ ساری اقدار بیوٹی پارلر سے گزار کر اور ان کا میک اپ کر کے آج تہذیب کی علامت بنی ہوئی ہیں۔ آج معیشت کی علامت سود ہے، مرد اور عورت کے تعلقات کی علامت عریانی اور فحاشی ہے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ مغرب بہت اچھا بیوٹی پارلر ہے، میں اس کے کمال کی داد دیتا ہوں کہ وہ قدریں جو ہم نے فرسودہ قرار دے کر کوڑے دان میں پھینک دی تھیں، مغرب نے انھیں ایک ایک کر کے اٹھایا اور بیوٹی پارلر سے گزار کر سامنے سجا دیا ہے۔ وہ ساری باتیں جنہیں حضور نبی کریم ﷺ نے جاہلیت فرمایا تھا آج ان سب کا نام سولائزیشن ہے۔ پریکٹیکلی یہ کچھ ہوا ہے۔

میں امریکہ اور برطانیہ بہت مرتبہ گیا ہوں۔ میں نے وہاں ان سے کہا کہ جدید تہذیب کی کوئی ایک ایسی بات بتادیں جو ابوجہل کی تہذیب میں نہیں تھی اور آپ نے اس سولائزیشن میں نئی کھڑی کی ہے؟ کوئی ایسی قدر جو اس دور جاہلیت میں نہیں تھی اور آپ نے نئی کھڑی کی ہے جسے جدت کی علامت کہتے ہو وہ کون سی ہے؟ یہ سب تو وہ ہیں جو ہم نے کوڑادان میں پھینک دی تھیں، تم نے انھیں اٹھا کر سولائزیشن کے نام سے سامنے کھڑا کردیا ہے۔ یہ میں نے دوسرا پہلو عرض کیا ہے کہ مغرب نے پریکٹیکل مرحلہ میں یہ کیا ہے کہ جاہلیت اولیٰ جسے حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جاہلیت کے ٹائٹل کے ساتھ اس کی ساری قدروں کو پاؤں تلے روندا تھا، آج وہ سولائزیشن کے نام سے سوسائٹی میں راج کررہی ہیں۔

میں نے بنیاد ذکر کی، پریکٹیکلی کیا ہوا اس کا ذکر کیا، اب اس سے اگلا مرحلہ ذکر کرتا ہوں کہ الٹیمیٹ کیا ہوا ہے؟ یہ بھی مغرب کی زبان میں عرض کروں گا کہ اب مغرب کا دانشور سر پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے کہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ گوربا چوف مغرب کے بڑے دانشوروں میں سے ہے جس کے ہاتھوں سوویت یونین تتر بتر ہوا ہے، اس نے اپنی کتاب میں مغرب کے فیملی سسٹم کی تباہی کا رونا رویا ہے۔ وہ پڑھنے کی چیز ہے، میں اس کے دو تین جملے عرض کردیتا ہوں۔ اس نے لکھا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں بہت قتل عام ہوا، فیکٹریوں اور دفاتر میں رجال کار، افرادی قوت کی کمی پڑگئی تو ہم نے اپنے دفتر اور فیکٹریاں آباد رکھنے کے لیے عورت کو ورغلایا کہ یہ کام بھی تم نے کرنا ہے۔ تم نے دفتر میں بھی بیٹھنا ہے اور گھر میں بچے بھی پالنے ہیں، تم نے ملازمت، بزنس، کاروبار بھی کرنا ہے۔ ہم عورت کو ورغلا کر اپنی افرادی قوت کے خلا کو پُر کرنے کے لیے اسے بازار، دفتر اور فیکٹری میں لائے۔ آج وہ دفتر میں بیٹھی ہے اور گھر برباد ہو چکا ہے۔ گوربا چوف کہتا ہے کہ اب ہم عورت کو واپس گھر لانا چاہتے ہیں؛ لیکن وہ گھر میں بیٹھنے کو تیار نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہمارا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔

آپ کسی بھی مغربی دانشور سے فیملی سسٹم پر بات کریں وہ سر پکڑ کر بیٹھ جائے گا۔ میں اس کی ایک سادہ سی مثال عرض کرتا ہوں کہ آج کسی کو پتہ نہیں ہے کہ پھوپھی زاد کون ہے، چچازاد کون ہے، خالہ زاد کون ہے اور ماموں زاد کون ہے؟ سب کو کزن کہا جاتا ہے۔ مغرب نے سارے رشتے انکل اور کزن میں ضم کردیے ہیں، اس کے علاوہ کوئی رشتہ باقی نہیں رہا۔ کسی کو رشتوں کا پتہ نہیں ہے۔ میں نے ایک موقع پر کہا کہ انھیں باپ کا پتا ہوگا تو چچا کا پتا بھی ہوگا۔ مغرب اس بحران میں پڑا ہوا ہے۔

میں نے گورباچوف کی بات نقل کی وہ مشرقی کیمپ کا تھا، مغربی کیمپ کی بھی بات نقل کرتا ہوں۔

ٹونی بلیئر سے پہلے برطانوی وزیراعظم جان میجر تھے۔ میں اس کے زمانے میں بہت دفعہ برطانیہ گیا۔ اس کی الیکشن کمپین کا عنوان ''بیک ٹو بیسکس'' تھا کہ ہم بہت آگے نکل آئے ہیں، اب بنیادوں کی طرف واپس چلو۔ اس نے اپنے دور میں اصلاحات نافذ کیں کہ جو عورت بچوں کو پالنے اور گھر کا نظام سنبھالنے کے لیے گھر میں رہنا پسند کرے گی ہم اسے ٹیکس میں بینیفٹس دیں گے اور وظیفہ بھی دیں گے۔ وہ پانچ سال کوشش کرتا رہا؛ لیکن کون واپس جاتا ہے؟

ایک بات اور شامل کرنا چاہوں گا۔ ایک دفعہ برمنگھم میں مذاکرہ تھا، میں نے وہاں کہا کہ تم نے عورت کے ساتھ کتنا بڑا فراڈ کیا ہے کہ جو عورت کے فرائض ہیں ان میں سے کوئی فرض آپ نے اپنے ذمہ نہیں لیا، جو اس کی نیچرل ڈیوٹیز ہیں مثلاً بچہ پیدا کرنا، اس کی پرورش کرنا اور گھر کا نظام سنبھالنا وغیرہ، یہ سب اسی کے ذمہ ہیں، تم نے اپنی ڈیوٹیاں بھی اس کے کھاتے میں ڈال دی ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ اس کی ایک ڈیوٹی تم نے سنبھال لی ہو اور اپنی دو ڈیوٹیاں اس کو دے دی ہوں، بلکہ اس کی ساری ڈیوٹیاں اس کے ذمے ہیں اور مردوں نے اپنی ڈیوٹی بھی اس کے ذمے ڈال کر اسے مساوات کا نام دے دیا اور عورت کی نیچرل ڈیوٹیز میں سے کوئی ایک ڈیوٹی بھی قبول نہیں کی۔ عورت ناقص العقل ہے تو اس نے وہ اپنے ذمہ لے لی۔

میں نے مغرب کے فیملی سسٹم کے حوالے سے یہ بات ذکر کی ہے۔

معیشت کے حوالے سے یہ ذکر کرنا چاہوں گا کہ موجودہ پاپائے روم سے پہلے پوپ بینی ڈکٹ تھے، ان کے زمانے میں ملٹی نیشنل کمپنیاں اور عالمی ادارے کرپس ہونے لگے تھے تو بہت شور مچا۔ پوپ بینی ڈکٹ نے ایک کمیٹی بنائی کہ عیسائیوں کے سب سے بڑے مذہبی مرکز ویٹی کن سٹی کو کیا موقف اختیار کرنا چاہیے؟ کمیٹی نے جو رپورٹ دی وہ رپورٹ ریکارڈ پر موجود ہے کہ اگر معیشت کو تباہی سے بچا کر ٹریک پر لانا ہے تو ہمیں معیشت کے وہ اصول اختیار کرنا ہوں گے جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں یعنی ہمیں غیر سودی معاشی سسٹم لانا ہوگا۔ یہ بات یہیں نہیں رکی؛ بلکہ پوپ کی اس کمیٹی کی رپورٹ سے پہلے ہمیں پاگل کہا جاتا تھا کہ بغیر سود کے بینکاری کیسے ممکن ہے؟ جبکہ اس رپورٹ پر اس کے بعد مغرب نے اب تک دوسو سے زیادہ ادارے غیر سودی اصولوں پر بنائے ہیں جو چل رہے ہیں۔

اس وقت معروضی صورتحال یہ ہے کہ غیر سودی بینکاری کا مرکز بننے کے لیے پیرس اور لندن میں کشمکش جاری ہے۔ ٹونی بلیئر نے وزارت عظمیٰ چھوڑنے سے پہلے کانفرنس کی تھی اور آخری تقریر میں

کہا تھا کہ میں لندن سے وعدہ کرتا ہوں کہ غیر سودی بینکاری کا مرکز لندن کو بنا کر جاؤں گا۔ اس پر لندن اور پیرس میں مقابلہ جاری ہے اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ رشین پارلیمنٹ نے قرارداد کے ذریعے حکومت سے کہا تھا کہ ملک کے معاشی قوانین میں لچک پیدا کریں تاکہ ہم اسلامی معیشت کے اصولوں کو یہاں لاگو کرسکیں۔ یہ قرارداد آج بھی ریکارڈ پر موجود ہے۔ یہ الٹیمیٹ اور نتیجہ ہے۔

آج کے کرنٹ ایشوز میں معیشت کی ناہمواری اور فیملی سسٹم کی تباہی کے ساتھ پولیوشن اور موسمیاتی تغیر بھی ہے۔ پولیوشن پر نیویارک میں کانفرنس تھی، میں اس وقت نیویارک میں تھا۔ چارلس بڑا دانشور ہے، میں اس کی تقریریں اکثر ذکر کرتا رہتا ہوں۔ اس کانفرنس میں شہزادہ چارلس نے تقریر کی، اس پر رپورٹیں آئیں۔ میں نے اپنے کالم میں ایک رپورٹ ذکر کی تھی۔ اس نے کہا کہ اگر پولیوشن اور ماحولیات کے مسئلہ کو کنٹرول کرنا ہے تو آپ کو معاشرت کے وہ اصول اختیار کرنا ہوں گے جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں۔ یہ میں نے مغربی فکر وفلسفہ کا نتیجہ ذکر کیا ہے۔

میں نے مغربی فلسفے پر تین دائروں میں بات کی ہے کہ مغرب نے وحی کو سائیڈ پر کر کے عقل اور خواہش کی بنیاد پر ایک نظام ترتیب دیا اور جاہلیت کی ساری قدریں واپس لے آیا۔ اب جان چھڑانے کے لیے قرآن پاک کے حوالے دے رہے ہیں۔

میں آخری بات یہ کرنا چاہوں گا کہ ہم قرآن مجید کو معاشرتی اور سماجی فلسفے کے حوالے سے، مسائل کے حل، سماجی مشکلات اور چیلنجز کے حوالے سے ایک نظام اور فلسفے کے طور پر پیش کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آپ ایک فکری کام پر لگے ہیں تو اپنا رخ ٹھیک کریں۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ماضی کی باتیں تو تھیں ہی، مستقبل کی ضروریات بھی ہیں بشرطیکہ ہم پیش کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ وہ تو مانگ رہے ہیں، خدا کرے ہم پیش کرنے کی پوزیشن میں آجائیں اور آج کی کامن سینس، آج کی زبان اور فریکوینسی میں قرآن مجید اور سنتِ رسول پیش کرنے کا حوصلہ، صلاحیت اور سلیقہ اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمادیں۔ آمین یارب العالمین۔

❊ ❊ ❊

دین کے ہر شعبہ میں خیر ہے

از: مولانا محمد نعمان خلیل
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

عبد اللہ بن عبد العزیز العمری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۸۴ھ) تبع تابعین میں بڑے عابد وزاہد گزرے ہیں، ملوک وسلاطین سے انتہائی مستغنی، اور لوگوں سے میل جول سے حد درجہ پرہیز کرنے والے، آپ نے ایک بار امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۷۹ھ) کو خط لکھا، جس میں انھیں عزلت پسندی، کنارہ کشی، زہد وورع اور لوگوں سے یکسو ہونے کی پُر زور دعوت دی اور ان کے علمی مشغلہ اور سلاطین سے تعلق رکھنے پر نالاں ہوئے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتہائی جامع اور شاندار الفاظ میں انھیں فقیہانہ جواب لکھا، حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ (۴۶۳ھ) "التمهيد لما فى الموطا من المعانى والمسانيد" میں اس جواب کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:

"أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَسَّمَ الْأَعْمَالَ كَمَا قَسَّمَ الْأَرْزَاقَ، فَرُبَّ رَجُلٍ فُتِحَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ فِي الصَّوْمِ، وَآخَرَ فُتِحَ لَهُ فِي الصَّدَقَةِ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ فِي الصِّيَامِ، وَآخَرَ فُتِحَ لَهُ فِي الْجِهَادِ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ فِي الصَّلَاةِ، وَنَشْرُ الْعِلْمِ وَتَعْلِيمُهُ مِنْ أَفْضَلِ أَعْمَالِ الْبِرِّ، وَقَدْ رَضِيتُ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ لِي فِيهِ مِنْ ذَلِكَ، وَمَا أَظُنُّ مَا أَنَا فِيهِ بِدُونِ مَا أَنْتَ فِيهِ، وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ كِلَانَا عَلَى خَيْرٍ، وَيَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَّا أَنْ يَرْضَى بِمَا قُسِّمَ لَهُ وَالسَّلَام".
(التمهيد لما فى الموطا من المعانى والمسانيد، ۱۸۵:۷)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے جس طرح رزق اپنی مخلوق میں تقسیم کیا ہے، دینی اعمال بھی اسی طرح تقسیم کیے ہیں، کئی لوگوں کے لیے نماز کے اسرار کھل جاتے ہیں (لیکن ان پر) روزے کے اسرار نہیں کھلتے، کسی کے لیے صدقہ وخیرات کے راستے ہموار ہوجاتے ہیں اور روزے کے راستے ہموار نہیں

ہو پاتے، کسی کے لیے جہادی راستے کھلتے ہیں اور نماز کے اسرار پوشیدہ رہتے ہیں اور بلاشبہ علم کی نشر واشاعت اور علم سکھانا افضل ترین نیکیوں میں سے ہے، اور میں اس بات پر مکمل طور پر راضی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے علم کی نشر واشاعت کا دروازہ کھول دیا، مجھے یقین ہے کہ یہ کام اس عمل سے کم درجہ کا نہیں جس کی آپ دعوت دے رہے ہیں اور امید ہے کہ ہم میں سے ہر ایک خیر وبھلائی کے راستے پر ہے، ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اس پر راضی رہے، جو اس کے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے۔ والسلام۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ اپنی جامعیت اور معنویت میں مفید ترین ہیں اور یہ اس حدیث مبارک کی گویا تشریح ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ". (الصحيح للبخاری، باب الريان للصائمين، رقم الحديث:۱۸۹۷)

کہ جو نماز سے شغف رکھنے والے ہیں، انھیں (جنت میں داخل ہونے کے لیے) ''باب الصلاۃ'' سے پکارا جائے گا، جو اہل جہاد ہیں، انھیں ''باب الجہاد'' سے دعوت دی جائے گی، جو روزے دار ہیں، انھیں ''باب الریان'' سے بلایا جائے گا اور جو صدقہ خیرات کے خوگر ہیں، انھیں ''باب الصدقہ'' سے آواز دی جائے گی۔

یعنی ہر دینی طبقہ کے مختص لوگوں کے لیے جنت کا الگ دروازہ کھولا جائے گا، معلوم ہوا عبادت وریاضت اور عملی کاموں میں سے کسی کام کو اپنا مقصدِ حیات بنالینا اور دیگر امور کے فرائض ادا کرتے رہنا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثال:

یہ بات مسلم اور طے شدہ ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام انسانوں کو یکساں پیدا نہیں فرمایا؛ بلکہ ہر انسان دوسرے سے جدا ہے، جس طرح ہر انسان دوسرے سے کسی نہ کسی طور پر مختلف ہے، جیسے رنگ ونسل، قد وکاٹھ اور شکل وصورت وغیرہ میں، بالکل اسی طرح ہر انسان اپنی صلاحیت واستعداد اور اپنے مزاج کے اعتبار سے بھی دوسرے سے مختلف اور جدا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روحانی، ایمانی اور اخلاقی تربیت فرمائی، اسی طرح ہر صحابی

کی اس کی صلاحیت واستعداد اور مزاج کی رعایت کرتے ہوئے خصوصی تربیت بھی فرمائی اور جس صحابی رسول میں جس کام کی صلاحیت زیادہ ہوتی، اسے اسی نوعیت کی ذمہ داری حوالہ فرماتے، اور جب وہ اس کام میں ماہر بن جاتا، تو اسے اس کام کی خصوصی ڈگری اور سند عطاء فرماتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

وَأَعْلَمُهُمْ بِالحَلَالِ وَالحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ. (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۹۰)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ حلال وحرام کا علم رکھنے والے ''معاذ بن جبل'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علم میراث میں سب سے زیادہ مہارت رکھنے والے ''زید بن ثابت'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قرأتِ قرآن میں سب سے زیادہ ماہر ''ابی بن کعب'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے اپنے فن میں گویا سپیشلسٹ اور پی ایچ ڈی کی سند عطاء فرمائی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت اسی نہج پر فرمائی تھی۔

علاوہ ازیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگی مہمات کی بہترین صلاحیت کے مالک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی میدان میں ان کی تربیت فرمائی اور انھیں ''سیف من سیوف اللہ'' کا لقب عطاء فرمایا، قریشی حضرات خاندانی طور پر قیادت وسیادت کی لیاقت رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا مشیرِ خاص بنا کر اپنا خلیفہ بننے کا عندیہ عطاء کیا، چناں چہ فرمایا:

إِنَّ هَذَا الأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ. (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۵۰۰)

کہ امامت وخلافت کا سلسلہ قریش میں رہے گا۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خصوصی تربیت فرما کر انھیں دین کے مختلف شعبے سپرد فرمائے، یہی وجہ ہے کہ وہ مخصوص صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اپنی بقیہ ساری زندگی امانت داری اور مکمل توجہ کے ساتھ اسی شعبہ میں لگے رہے، اسی لیے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علم حدیث میں مشہور ہوئے، بعض علم تفسیر میں معروف ہوئے، بعض نے فقاہت کی مسند سنبھالی، بعض ریاست کے نظم ونسق میں مصروف رہے اور بعضوں نے اپنی ساری توجہ فتوحات کی طرف مبذول کردی، ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی ایک دوسرے سے یہ نہیں کہتا تھا کہ میں جو کام کر رہا ہوں، وہ آپ کے کام سے زیادہ اچھا ہے، لہٰذا آپ

اپنا کام چھوڑ کر میرے کام میں لگ جائیں، بلکہ ہر کوئی اپنے میدان میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تقسیم کار قیامت تک کے لیے بنادی ہے اور ہر دور میں ہر شعبہ کے لیے مختص افراد پیدا فرماتے رہتے ہیں، جو اپنے حصہ کا کام کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبراتے، یہ تمام لوگ کامیاب ہیں، اس پہلو کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان بھی شاہد عدل ہے:

(وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ) (العنکبوت:٦٩)

جو لوگ ہمارے لیے کوشش وجستجو میں لگتے ہیں، انھیں ہم راستوں کی ہدایت دیتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

''سبل''، سبیل کی جمع ہے، یعنی کئی راستے، مطلب یہ ہوا کہ جو ہم تک پہنچنے کی تگ ودو میں لگے رہتے ہیں، ہم انھیں خود تک پہنچنے کے راستوں کی سمجھ بوجھ اور بصیرت عطا کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ اسی بصیرت کے ساتھ راستہ کا انتخاب فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

* * *

ضروری اطلاع

غیر ملک کے لیے حسب سابق ''ماہنامہ دارالعلوم'' کی روانگی شروع کردی گئی ہے۔ ضرورت مند حضرات ''دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' سے رابطہ کرسکتے ہیں۔

(۲) پاکستانی خریدار حضرات ''ماہنامہ دارالعلوم'' جاری کرانے کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کرسکتے ہیں:

مولانا سیّد رشید میاں صاحب ناظم جامعہ مدنیہ راوی روڈ کریم پارک، لاہور پاکستان

(ادارہ)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ (المتوفی ۴۳ھ)

یہودیت سے اسلام تک کے سفر کی ایمان افروز داستان

از: مولانا ابوبکر حنفی شیخوپوری

آفتابِ نبوت کی کرنوں سے جن خوش نصیب لوگوں کے سینے منور ہوئے اور انھیں بارگاہِ رسالت کی حاضری نصیب ہوئی ان میں ایک نام حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے، جو توراۃ و انجیل کے حافظ اور مذہبِ یہودیت اور عیسائیت پر گہری نظر رکھنے والے زبردست عالم تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ مستند تاریخی روایات کے مطابق ماہِ ربیع الثانی سن ایک ہجری میں پیش آیا، اس مناسبت سے آپ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالاتِ زندگی قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

نام ونسب اور خاندان

قبولِ اسلام سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کا نام حصین تھا، مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلامی نام ''عبداللہ'' تجویز کیا، والد کا نام ''سلام'' اور دادا کا نام ''حارث'' ہے، کنیت ''ابو یوسف'' اور لقب ''جر'' ہے، یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنوقینقاع کے چشم و چراغ تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب اللہ تعالی کے جلیل القدر نبی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملتا ہے، اسی عالی نسبی اور خاندانی شرافت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ یہود کے ہاں مسلّمہ روحانی شخصیت تصور کیے جاتے تھے اور دور دراز کے علاقوں سے یہودی آپ رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے آتے تھے۔

زیارتِ نبوی کا شوق

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا شمار ان انصاف پسند اہلِ کتاب میں ہوتا تھا جو تشدد و تصلب اور ضد و تعصب سے کوسوں دور تھے، اسی اعتدال اور متوازن سوچ نے انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ بنا دیا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے

بیتاب تھے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ اخیر شب میں حسبِ معمول توراۃ کا مطالعہ کرنے میں مشغول تھے کہ توراۃ کی ایک آیت نے ان کے دل و دماغ پر سحر طاری کر دیا، اس آیت کا مفہوم یہ تھا کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوں گے اور یثرب جو کہ کھجوروں والا شہر ہے اس میں ہجرت کریں گے، اس سے قبل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد نشانیاں ان کے زیرِ مطالعہ آچکی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے متعلق پڑھ کر ان کا اشتیاقِ زیارت اور بڑھ گیا اور بکثرت یہ دعا کیا کرتے ''اے اللہ! مجھے اتنی زندگی عطا فرما کہ میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کرسکوں''۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کی قبیلہ بنوخزرج کے چھ آدمی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوکر اور بیعتِ اسلام کر کے آئے ہیں، یہ سن ۱۱ نبوی کا واقعہ ہے، یہ خبر سنتے ہی سیدھا ان کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال دریافت کیے، جب انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور صفات بیان کیں تو انھیں توراۃ میں بیان کردہ تفصیلات کے عین مطابق پایا، اس کے بعد زیارتِ رسول کے لیے ان کی بے چینی اور زیادہ ہوگئی اور وصل کے شوق میں انتظار کرنا مزید مشکل ہوگیا۔

بارگاہِ رسالت میں پہلی حاضری

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں باغ میں کھجوروں کے درخت پر چڑھ کر اس کی کاٹ چھانٹ کر رہا تھا کہ کسی نے مجھے آکر اطلاع دی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا کی بستی میں واقع محلّہ بنوعمرو بن عوف میں پہنچ چکے ہیں، میں نے یہ سنتے ہی خوشی سے ''اللہ اکبر'' کہا اور درخت سے نیچے اتر آیا، میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی باغ میں موجود تھیں، کہنے لگیں: تیرا ناس ہو! اگر حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی آمد کی خبر ملتی تو کیا پھر بھی اتنا خوش ہوتے؟ میں نے کہا: یہ موسیٰ بن عمران کے ہی بھائی ہیں، اس کے بعد وہ پوچھنے لگیں: کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ قیامت سے پہلے آئیں گے؟ میں نے کہا: ہاں! یہ وہی نبی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی سے مختصر گفتگو کے بعد قبا پہنچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ایک ہجوم میں تشریف فرما تھے، میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر جیسے ہی میری نگاہ پڑی تو میری زبان سے بے ساختہ نکلا ''وجھه لیس بوجه کذاب'' کہ یہ چہرا کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا۔

حضور ﷺ کا پہلا کلام

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مجلسِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ فرما رہے تھے، سب سے پہلے الفاظ جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے وہ چار نصیحتوں پر مشتمل ایک خوبصورت اور مقفّی جملہ تھا جس سے امن و آشتی اور محبت والفت کے پھول جھڑ رہے تھے، وہ الفاظ یہ تھے: اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور جب سب لوگ سو جائیں تو تنہائی میں اٹھ کر نماز پڑھو (ان اعمال کی جزا یہ ملے گی کہ) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضور ﷺ سے سوال و جواب

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنی حاضری کے واقعہ کی مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وعظ ونصیحت سے فارغ ہو کر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے ایک یہ کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ اہلِ جنت کو سب سے پہلے کون سا کھانا پیش کیا جائے گا؟ تیسرا یہ کہ بچے کی شکل کب اپنے باپ پر اور کب اپنی ماں پر جاتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ابھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ان تین سوالوں کے جواب دیے ہیں۔ پھر ترتیب وار ان سوالوں کے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہوگی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر لائے گی، اہل جنت کی دعوت میں جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہوگا، جب مرد کا مادۂ تولید غالب آجائے تو بچہ باپ کی شکل پر اور جب ماں کا مادہ تولید غالب آجائے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔

قبولِ اسلام

فرماتے ہیں کہ سوال و جواب کے ختم ہوتے ہی میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا، جب اہلِ خانہ اور اپنی پھوپھی کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کروایا تو وہ بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، میں ان سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دائرہ اسلام میں داخل فرما دیا۔ اہل خانہ کو کلمہ پڑھوانے کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے لیے کوشش کی کہ وہ اسلام لے آئے؛ لیکن ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی، اس کا واقعہ آپ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ عللیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری قوم بڑی بدفطرت ہے، جب انھیں میرے اسلام لانے کا علم ہوگا تو وہ مجھ پر طرح طرح کی الزام تراشی کریں گے؛ اس لیے ان کو میرے اسلام لانے کی

اطلاع کرنے سے قبل میرے متعلق ان کے خیالات جان لیجیے! چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری رائے پر یہودیوں کے اکابر کو بلایا اور مجھے پردے کے پیچھے بھیج دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم سب مجھے اللہ کا رسول مانتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ نے پوچھا: حصین بن سلام (عبداللہ بن سلام) تم میں کیسے شخص ہیں؟ انھوں نے کہا: ہمارے قوم کے بہترین شخص ہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات سنتے ہی باہر نکل آیا اور ان کے سامنے پڑھا ''اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ''۔ انھوں نے فوراً اپنی بات بدل دی اور کہنے لگے: یہ ہماری قوم کا بدترین شخص ہے اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

فضائل ومناقب

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی فطری خوبیوں، انصاف پسندی، اسلام سے شدید درجے کی محبت اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت کی وجہ سے انھیں بہت سے فضائل وکمالات سے نوازا گیا، اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں ان کا نام لیے بغیر ان کی تعریف فرمائی؛ چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت ایسے کرتے ہیں، جیسے تلاوت کرنے کا حق ہے (البقرۃ:۱۲۱)، دوسری جگہ ارشاد ہے: بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی (الاحقاف:۱۰)، مفسرین کے مطابق ان دونوں آیتوں میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا، کچھ کھانا بچ گیا، اس کے متعلق ارشاد فرمایا: ایک اجنبی شخص آنے والا ہے، میں اس کو یہ کھانا دوں گا، راوی کہتے ہیں کہ کچھ ہی دیر کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچا ہوا کھانا ان کو عنایت فرمادیا۔

علمی کمالات

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل جس طرح توراۃ انجیل کے علوم کے شناور مانے جاتے تھے اسی طرح اسلام قبول کرنے کے بعد جب ان کی علمی توجہات قرآن وسنت کی طرف مبذول ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے علومِ شریعت میں بہت اعلی مقام حاصل کیا، عظیم درجے کے فقیہ صحابہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، اسی علمی قابلیت کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کتابتِ وحی کی ذمہ داری سونپی، اپنے زمانے کے جید عالم اور فقیہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی جب

وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے لوگوں کو وصیت کی: یاد رکھو! علم اور ایمان دو ایسی چیزیں ہیں کہ اگر کوئی ان کا طالب ہو تو اس کو مل جاتی ہیں، اگر تمہیں علم کی طلب ہو تو اسے چار لوگوں سے حاصل کرو! عبداللہ بن مسعود، سلمان فارسی، ابوالدرداء اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم۔

غزوات میں شرکت

بدر اور احد کی لڑائی میں شرکت کے بارے میں اہلِ سیر کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں شریک ہوئے اور بعض کہتے ہیں نہیں ہوئے؛ البتہ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ اسی طرح عہدِ خلفاء راشدین میں بھی بہت سی لڑائیوں میں انھیں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جب اسلامی لشکر نے بیت المقدس کی فتح کے لیے شام پر چڑھائی کی تو اس لشکر میں بھی شامل تھے۔

اولاد

آپ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے کا نام یوسف تھا اور یہ نام انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنے جدِ امجد حضرت یوسف علیہ السلام سے عقیدت کی بنا پر رکھا تھا، اسی بیٹے کے نام سے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یوسف ہے، جب اس بیٹے کی ولادت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھایا اور سر پر دستِ شفقت رکھا۔

وفات

علم وحکمت کا یہ آفتاب اپنی کرنوں سے عالم کو منور کرنے اور اپنی روحانی قوت سے مردہ قلوب کو زندہ کرنے کے بعد آخر ۴۳ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہو گیا۔

❊ ❊ ❊

''عافیت'' ایک عظیم ترین نعمت

از: مولانا محمد عمر قاسمی کامار پڈی

انسانی زندگی کے سمندر کا تلاطم حالات کی موجوں کے اتار چڑھاؤ سے وجود میں آتا ہے، کبھی مسرت وشادمانی ہے تو کبھی رنج وغم، کبھی خزاں تو کبھی بہار، کبھی خوش حالی تو کبھی قحط سالی، کبھی صحت وتن درستی تو کبھی علالت وبیماری؛ حالات کبھی یکساں نہیں ہوتے، بہ قول علامہ اقبالؒ۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

سازگار حالات اور ناموافق مواقع کا میسر آنا تکوینی نظام کا حصہ ہے، ابتلا وآزمائش سے حفاظت، کروب وآلام سے امن وسلامتی، آفات وپریشانی سے آزادی اور جملہ مصائب ومشکلات سے پناہ کا نام ''عافیت'' ہے، عافیت نہایت ہی مختصر اور جامع لفظ ہے؛ لیکن اس میں معانی ومفاہیم کا ایک گنجینہ پنہاں ہے؛ بلاشبہ ''عافیت'' انمول نعمت اور بیش قیمت خدائی تحفہ ہے، آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرنے کا لطف، ایمان وایقان کے بعد سب سے بڑی دولت ہے؛ نیز بغیر عافیت کے انسانی زندگی دولت وثروت کی کثرت اور اسبابِ آرائش وآسائش کی بہتات ہوتے ہوئے بھی اجیرن اور دوبھر ہوجاتی ہے، نعمتوں کی قدردانی بقاءِ عافیت اور ازدیادِ نعمت کی ضامن اور کفیل ہے؛ لیکن آدم زاد نعمت کی قدرشناسی کے بجائے ناقدری کرکے موقع گنوادیتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ قدرِ نعمت بعدِ زوال ہوتی ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ ''قدر عافیت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید'' (عافیت کی قدر وہی جانتا ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے)

صبر وسزا کے بجائے عافیت مانگنی چاہیے!

شریعت مطہرہ نے اپنے پیروکاروں کو رضا بالقضاء کی تعلیم دی ہے، بندۂ مؤمن کا شعار تو یہ ہے

کہ وہ "والقدر خیرہ وشرہ من اللّٰہ تعالی" پر ایمان لاکر خیر اور خوشی میں خدا تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے، شر اور مصیبت میں صبر کا دامن تھام لیتا ہے، انسان پر جب مصائب ومشکلات آپڑیں تو شریعت ہر صاحبِ ایمان کو ان پر صبر کرنے کی تعلیم دیتی ہے؛ لیکن بہت سی دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض ضعیف الاعتقاد لوگ عافیت کی قدر کرنے کے بجائے اظہارِ توانائی کے نشہ میں توفیقِ صبر کی دعائیں کرتے ہیں اور کچھ انسان بڑی مصیبت کے بجائے چھوٹی مصیبت کا سوال کرتے ہیں؛ حالاں کہ ایسے موقع پر عافیت وسلامتی کی دعا مانگنی چاہیے، حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے دیکھا: "اللّٰھُمَّ إِنِّیْ اَسْاَلُكَ الصَّبْرَ" (''اے اللہ! میں آپ سے صبر مانگتا ہوں۔'') تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمادیا کہ: "سَاَلْتَ اللّٰہَ الْبَلَاءَ"۔ صبر تو بلاء ومصیبت پر ہوتا ہے، "فَسَلْهُ العَافِيَةَ"۔۔۔۔ ''تم اللہ سے صبر کی دعا مانگنے کے بجائے عافیت کی دعا مانگو۔''

اور ایک حدیث مبارکہ میں اماں جان حضرت عائشہ صدیقہؓ محسن انسانیت ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں: "ما خیر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی امرین إلا اخذ ایسرهما ما لم یکن إثما." (موطا امام مالک:۶۲۳)

(نبی ﷺ کو جن دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کام ہی اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ والا (ناجائز) کام نہ ہوتا)

آفات ومصائب قدرتی اور سماوی تو ہوتے ہیں؛ لیکن بالعموم یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ غیر متعلقہ امور میں پڑ کر اور غیر ضروری معاملات میں پھنس کر خود مشکل میں پڑ جاتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں؛ حالاں کہ یہ خلافِ عقل امر اور عافیت کی ناقدری ہے، دانش مندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے متعلقہ حلقہ اور محدود دائرہ میں رہیں اور دوسروں کے معاملات میں مداخلت سے گریز کریں اور نبی ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے: "اللّٰھم إنی اعوذ بك من زوال نعمتك وتحول عافیتك وفجاءة نقمتك وجمیع سخطك." (اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال سے، تیری دی ہوئی عافیت کے پلٹ جانے سے، تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے ہر قسم کے غصے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔)

عافیت کے سلسلہ میں اکابر کا نقطۂ نظر!

مادیت پرستی کے اس دور میں مال وزر کو ہی جزوِ زندگی اور مقصدِ حیات گردانا جاتا ہے؛ جب کہ کثرتِ مال واسباب سے زیادہ بہتر پرسکون زندگی کا میسر ہونا ہے، اس لیے بعض بزرگوں سے یہ

منقول ہے کہ:"القلیل مع العافیة خیر من الکثیر مع القوارع۔" (عافیت کے ساتھ تھوڑا مال اُس زیادہ مال سے بہتر ہے جو مصیبتوں کے ساتھ ہو۔)

❋اسی طرح عقل مندوں کا یہ قول ہے کہ: "العافیة تاج علٰی رؤوس الاصحاء لایراہ إلا المرضٰی." (عافیت تو ایک تاج ہے جو تندرست لوگوں کے سروں پر سجا ہوا ہے، وہ خود تو اس تاج کو نہیں دیکھ سکتے، ہاں! جو مریض ہوں، وہ اس تاج کو تن درستوں کے سروں پر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔)

❋ نیز صاحبِ مظاہرِ حق علامہ نواب قطب الدین دہلویؒ "نسال اللّٰہَ العافیةَ" کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو بہت پسند کرتا ہے، اس کے برابر اور کسی چیز کے مانگنے کو پسند نہیں کرتا، عافیت کے معنی ہیں: دنیا وآخرت کی تمام ظاہری و باطنی غیر پسندیدہ چیزوں: تمام آفات ومصائب، تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں سے سلامتی وحفاظت؛ لہٰذا عافیت دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہے۔ جس نے عافیت مانگی، اس نے گویا دنیا وآخرت کی تمام ہی بھلائیاں مانگ لیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو پسند کرتا ہے۔''

❋ ماضی قریب کے صاحبِ نسبت بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''عافیت بہت بڑی چیز ہے، بہت اونچی نعمت ہے اور عافیت کے مقابلے میں دنیا کی ساری دولتیں ہیچ ہیں، کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں؛ نیز وہ فرماتے تھے کہ: عافیت دل ودماغ کے سکون کو کہتے ہیں اور یہ سکون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، یہ دولت اللہ تعالیٰ بغیر کسی سبب اور استحقاق کے عطا فرماتے ہیں، عافیت کوئی آدمی خرید نہیں سکتا، نہ روپیہ پیسے سے عافیت خریدی جاسکتی ہے، نہ سرمایہ سے اور نہ ہی منصب سے کوئی عافیت حاصل کرسکتا ہے، عافیت کا خزانہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی عافیت نہیں دے سکتا۔''

❋ ایک مرتبہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ سے عافیت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: کہ جس شخص کو تین چیزیں نصیب ہوجائے تو سمجھ لو کہ اسے عافیت مل گئی:

(۱) اتباع سنت کی توفیق مل جائے۔
(۲) بآسانی سانس آتی جاتی ہو، (آکسیجن کی ضرورت نہ پڑے)
(۳) وقت پر حلال کی روزی مل جائے۔ (راوی: مولانا شیخ حنیف لوہاروی صاحب)

❋ داعی ومبلغ حضرت مولانا ابراہیم دیولا صاحب ادام اللہ بقاءہٗ ''عافیت'' کی تعریف کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ ''دینی فتنہ اور جان لیوا بیماری سے نجات پانا عافیت ہے''۔

عافیت طلبی افضل ترین دعا ہے!

دعا مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار اور عبادت کا نچوڑ ہے، دعا کی یہ تاثیر ہے کہ اس سے نازل شدہ آفت سے بھی چھٹکارا ملتا ہے اور آئندہ نازل ہونے والی آفات و بلیات سے بھی حفاظت ہوتی ہے؛ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے: ''دعا ہر حال میں نفع پہونچاتی ہے جو (آفات) نازل ہوگئی ان کو دور کرنے میں مفید ہوتی ہے اور جو ابھی نازل نہیں ہوئی وہ دعا سے ٹل جاتی ہے؛ لہٰذا دعا کا خاص اہتمام کرو''۔ (سنن ترمذی)

خدا تعالیٰ سے مانگی جانے والی دعاؤں میں سب سے افضل اور پسندیدہ ''عافیت طلبی'' ہے اور نبی ﷺ نے بیشتر احادیث میں طلبِ عافیت کی دعائیں سکھائی ہیں؛ چنانچہ سطورِ ذیل میں چند دعائیں درج کی جاتی ہیں جن کا معمول بنا لینے سے ان شاء اللہ ہر طرح کے شر اور نقصان سے تحفظ اور بچاؤ ہوسکتا ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح و شام میں ان دعاؤں کا پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اللَّهُمَّ استُرْ عَوْرَاتِي، وآمِنْ رَوْعَاتِي، اللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَينِ يَدَيَّ، ومِنْ خَلْفِي، وَعن يَمينِي، وعن شِمالِي، ومِن فَوْقِي، وأعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحتِي (مسند احمد: ۲/۲۵)

(اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا طالب ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور اپنے اہل و مال میں معافی اور عافیت کا طالب ہوں، اے اللہ! میرے عیوب چھپا دے، میرے دل کو مامون کر دے، اور میرے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر سے میری حفاظت فرما اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں نیچے سے ہلاک کئے جانے سے)

(۲) حالتِ عافیت میں نعمتِ عافیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور عافیت کے بقاو دوام کی دعا اور مستقبل کی مشکلات اور مصیبتوں سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ تَمَامَ الْعَافِيَةِ وَ أَسْأَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ وَ أَسْأَلُكَ الشُّكْرَ عَلَى الْعَافِيَةِ وَ أَسْأَلُكَ الْغِنٰى عَنِ النَّاسِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَ الْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ.

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ

الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجالِ.“

(اے اللہ میں آپ سے مکمل عافیت کا سوال کرتا ہوں اور آپ سے عافیت کے دوام کا سوال کرتا ہوں اور عافیت پر شکر گزاری کی آپ سے دعا کرتا ہوں اور لوگوں سے بے نیازی کی آپ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ میں آپ سے بخشش اور عافیت اور دین و دنیا اور آخرت میں ہمیشہ کی معافی کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور ظاہر و باطن تمام فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور دجال کے فتنے سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۸۶۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی یہ دعا تھی: ”اللّٰهم إني اعوذ بك من زوال نعمتك وتحول عافيتك وفجاءة نقمتك وجميع سخطك“. (اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال سے، تیری دی ہوئی عافیت کے پلٹ جانے سے، تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے ہر قسم کے غصے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔) (سنن ابی داود: ۱۵۴۵)

ایک حدیث میں محسن انسانیت ﷺ نے اذان و اقامت کے درمیان عافیت مانگنے کی تعلیم دی ہے؛ چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس وقت کیا دعا کریں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”سلوا اللّٰه العافية في الدنيا والآخرة“ (اللہ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگو۔) (سنن ترمذی: ۳۵۹۴)

حاصل کلام یہ کہ عافیت کے ہوتے ہوئے قدر کرنی چاہیے، اگر خدانخواستہ مصیبت آجائے تو جزع فزع اور شکوہ شکایت کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے اور ذاتِ باری تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے فراخی و کشائش کا انتظار و امید رکھنی چاہیے، عافیت کی دعا کرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا چاہیے۔

پروردگارِ عالم سے دعا ہے کہ اے اللہ ہمیں دونوں جہاں کی مکمل عافیت عطا فرمائے اور ہر طرح کے آفات و مصائب سے محفوظ فرمائے اور ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھیں آمین!

❊ ❊ ❊

رزق حلال اور قبولیت دعا

از: مولانا محمد اسعد قاسمی
مدرسہ جمال القرآن جھرہ آصف نگر

رزق حلال کی اسلام میں بہت اہمیت ہے اسی لیے اسلام نے اس پر ابھارنے کے لیے اور اس کو اختیار کرنے والے کے لیے بڑی فضیلتیں بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ آیت:۱۶۸) اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور طیبؔ ہے اسے کھاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! بیشک اللہ طیب ہے اور وہ سوائے طیب اور طاہر چیز کے کسی چیز کو قبول نہیں کرتا (طاہر کا معنی ہے وہ چیز جو فی نفسہٖ حلال ہو اور طیب کا معنی ہے وہ چیز حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً چوری کا دودھ فی نفسہٖ حلال ہے؛ لیکن حلال ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا اس لیے وہ طاہر ہے طیب نہیں ہے اور انسان دودھ خرید کر لائے اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو وہ دودھ طیب تو ہے؛ لیکن طاہر نہیں ہے) اور بیشک اللہ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (المومنون:۵۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بیشک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں۔ (تبیان القرآن تفسیر المومنون:۵۱)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: طوبی لمن طاب کسبه (اس کے لیے خوشخبری ہے جس نے اپنی کمائی کو پاکیزہ بنالیا) (الطبرانی)۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کو وہی چیز اپنی کمائی وغذا بنانا چاہیے جو اصلا حلال ہو، اور اصلا وہی چیز حلال و پاک ہے جس کو اسلام نے حلال قرار دیا ہے۔ اور جس کو شریعت نے حرام قرار

دیا ہے اصلاً وہی خبیث اور گندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. (سورہ نساء:۲۹) اے ایمان والوں تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ۔ باطل کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ واحدی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''وجیز'' میں لکھتے ہیں کہ: وهو كلُّ ما لا يحلُّ فى الشَّرع كالرِّبا والغصب والقمار والسَّرقة والخيانة۔ ہر وہ چیز جو شرعاً حلال نہ ہو جیسے سود، زبردستی کسی کا مال لینا، جوا، چوری اور خیانت۔ اور ''معالم التنزیل'' میں ہے هُوَ الْعُقُودُ الْفَاسِدَةُ۔ یعنی غیر شرعی طریقہ پر جو معاملات کیے جائیں وہ سب باطل کی تفسیر میں داخل ہیں۔ لہٰذا مسلمان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مال باطل طریقہ سے حاصل نہ کیا جائے، جو اصول شریعت نے بتائے ہیں اس کو اختیار کرتے ہوئے روزی کمانا چاہیے۔

اور اللہ رب العزت تخلیق انسانی کا مقصد بیان کرتے ہوئے سورہ ذاریات میں ارشاد فرماتے ہیں: "وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ".

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا؛ مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یعنی ان دونوں کو پیدا کرنے سے میرا مقصد اور ارادہ شرعیہ یہی ہے کہ وہ میری عبادت اور میری بندگی وغلامی کریں اور اپنی پوری زندگی میرے احکام کے مطابق گزاریں۔ عبادت کا مطلب صرف نماز روزہ زکوٰۃ نہیں ہے؛ بلکہ ہر اس عمل کو اختیار کرنے کا نام عبادت ہے جس کا حکم شریعت نے دیا ہے۔ اکل حلال اور رزق حلال کو اختیار کرنا اور حرام سے دوری رکھنا یہ بھی عبادت وبندگی میں داخل ہے۔

اور دعا کو عبادت کا مغز اور نچوڑ کہا گیا ہے جیسا کہ مشہور حدیث ہے ''الدعاء مخ العبادة''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ''خالص عبادت اور اس کی روح جس کے بغیر عبادت وجود میں ہی نہیں آتی وہ دعا ہے جیسا کہ انسان کا وجود مغز کے بغیر نہیں ہوتا'' ایسے ہی عبادت بھی دعا کے بغیر نہیں ہوتی۔ اسی لیے اہم عبادات کے ختم پر دعا کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں دعا کو ہی عبادت کہا گیا ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد کی کتاب الصلاۃ اور ابن ماجہ کی باب الدعا میں ہے جس کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الدعاء هو العبادة ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ جب دعا کو ہی عبادت کہا گیا ہے تو اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ غیر سے دعا مانگنا گویا غیر کی عبادت کرنا ہے اور غیر کی عبادت شرک ہے۔ اسی سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے مانگو میں تمہاری

دعا قبول کروں گا۔

جب دعا عبادات کا نچوڑ ہے تو اس کی قبولیت کے بھی کچھ اسباب ہوں گے بنا سبب یوں ہی قبول نہیں ہوگی۔

رزق حلال قبولیت دعا کا ایک سبب

دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب رزق کا حلال ہونا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان اس سے غفلت برت رہے ہیں، حلال وحرام کی تمیز بھول گئے ہیں، بس دنیا حاصل ہوجائے چاہے کسی بھی طرح ہو؛ لیکن مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھول گئے کہ آپ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ، وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتْ النَّارُ أَوْلَى به.

جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے جسم کا گوشت حرام مال سے پلا بڑھا ہو، جو گوشت حرام مال سے پلا بڑھا ہو اس کے لیے تو جہنم کی آگ ہی بہتر ہے۔ (رواہ أحمد، مشکوۃ: ۲۴۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے لا يدخل الجنةَ جسدٌ غُذی بالحرام.

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایسا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کو حرام سے غذا دی گئی ہو''۔

آج کے دور میں مسلمان مال اور دنیا کی محبت میں اندھے ہوگئے ہیں جو سبب بن رہا ہے بے ایمانی کا، جھوٹ کا، سودی لین دین کا، آپس میں فریب کاری کا اور اب تو بات قتل تک پہنچ گئی ہے کہ آپس میں مسلمان مال کی خاطر ایک دوسرے کا بلا جھجھک قتل بھی کررہے ہیں۔ (الامان والحفیظ)

ذرا سوچیں کہ جب مسلمان ان سب برائیوں میں ملوث ہوگا اور مذکورہ برائیوں کو مال کمانے کا سبب بنائے گا تو اس کا مال حرام نہیں ہوگا تو کیا ہوگا، پھر اس مال سے صدقہ کرے گا تو صدقہ کیسے قبول ہوگا، برکتیں کہاں سے اترے گی اور چھوڑ کر مرے گا تو وہی مال اس کو جہنم میں پہنچائے گا۔ مزید یہ کہ اسی سبب دعا جو مؤمن کا ہتھیار ہے اب وہ ٹوٹ گیا ہے اور قبولیت دعا کے دروازے بند ہوگئے ہیں، مظلوم مسلمان روزانہ اپنے مظلوم فلسطینی بھائیوں کے لیے دعائیں کررہے ہیں؛ لیکن نتیجہ ندارد، جب کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی جانب گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو فرمایا کہ اے معاذ مظلوم کی بددعا سے بچو؛ کیونکہ اس کی آہ اور اللہ کے درمیاں کوئی آڑ و رکاوٹ نہیں ہوتی (مشکوۃ، کتاب الزکوۃ)۔ ساری امت مسلمہ آج مظلوم بنی ہوئی ہے؛ لیکن اپنی دعاؤں

کو بے اثر پا رہی ہے۔

اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہم نے کھانے پینے اور دیگر اسباب زندگی کے حاصل کرنے میں، حلال وحرام کے پیمانوں کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے لیے دعا فرمادیجیے کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں تو اس کے جواب میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: اے سعد اپنی روزی کو پاکیزہ بناؤ تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے یقیناً بندہ جب حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو اس کے چالیس دن کا عمل قبول نہیں ہوتا اور جس بندہ کا گوشت حرام اور سود سے بڑھے اس کے لیے جہنم ہی بہتر ہے۔ أخرجه الطبرانی فی "المعجم الأوسط" (٦٤٩٥)، و عنه ابن مردويه فی تفسيره كما فی تفسير ابن كثير ١/٣٤٨)

اور یہی مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ملتا ہے۔

اس قول سے امت کے لیے یہ پیغام ملتا ہے کہ اگر اپنی دعاؤں میں اثر پیدا کرنا ہے اور دعا جیسے مضبوط اسلحہ کو کارآمد بنانا ہے تو اس کا نسخہ کیمیا یہ ہے کہ اپنے مالوں کو اپنے کھانے پینے کو حلال و پاکیزہ رکھیں، خلاف شرع طریقوں سے کلیۃً اجتناب کریں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں حلال روزی کی توفیق نصیب فرمائے اور حرام سے ہماری اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرمائے۔

دعا کی قبولیت کے اسباب اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین۔

* * *

احوال وکوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

قواعد داخلہ کی اشاعت اور نئے داخلوں کا اعلان

دفتر تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے نئے تعلیمی سال ۴۶-۱۴۴۵ھ کے لیے قواعد داخلہ جاری کیا ہے جس میں جدید طلبہ کے داخلے اور اور قدیم طلبہ کی ترقی وتنزلی اور تکمیلات ودیگر شعبوں میں داخلے کے ضوابط وقواعد کا اعلان کیا گیا ہے۔

نئے تعلیمی سال میں درجات عربیہ کے قدیم طلبہ کی ترقی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے مختلف شعبہ جات جیسے تخصصات، تکمیلات، شعبۂ تحفظ سنت، شعبہ تحفظ ختم نبوت، شعبہ تحقیق وصحافت شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ مطالعۂ عیسائیت ودیگر مذاہب، شعبہ انگریزی زبان وادب، شعبہ کمپیوٹر اور شعبہ دارالصنائع مقرر کردہ معیار کے مطابق قدیم طلبہ کے داخلے بھی ہوں گے۔

امسال مختلف درجات کے لیے 'فارم درخواست برائے شرکت امتحان داخلہ' کی تقسیم وواپسی اور امتحانات کی اہم تاریخوں کا نقشہ حسب ذیل ہے:

درجات امتحان	تقسیم فارم درخواست	جمع کرنے کی آخری تاریخ
اول عربی تا چہارم عربی مطلوب	۲؍شوال ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۲۴ء، جمعہ تا ۵؍شوال مطابق ۱۵؍اپریل، دوشنبہ، تا دوپہر	۵؍شوال مطابق ۱۵؍اپریل، دوشنبہ، شام
پنجم عربی تا دورۂ حدیث مطلوب	۲؍شوال ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۲۴ء، جمعہ تا ۶؍شوال مطابق ۱۶؍اپریل منگل، تا دوپہر	۶؍شوال مطابق ۱۶؍اپریل منگل، شام
حفص اردو وکتابت مطلوب	۲؍شوال ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۲۴ء، جمعہ ۹؍شوال مطابق ۱۹؍اپریل، جمعہ، تا دوپہر	۹؍شوال مطابق ۱۹؍اپریل، جمعہ، شام
حفص عربی، سبعہ وعشرہ مطلوب	۲؍شوال ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۲۴ء، جمعہ تا ۵؍شوال مطابق ۱۵؍اپریل، پیر، تا دوپہر	تا ۵؍شوال مطابق ۱۵؍اپریل، پیر، شام

روزآنہ فارم کی تقسیم صبح کو ہوگی اور بوقت شام بعد ظہر سے واپس جمع کرنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ تاریخ گذر جانے کے بعد نہ درخواستوں کی تقسیم ہوگی اور نہ واپسی ہوگی۔ درخواست برائے شرکت امتحان مبلغ سو (۱۰۰) روپئے میں دستیاب ہوگا۔

عربی اول تا برائے دورۂ حدیث مطلوب تمام درجات کے امتحان میں پہلا پرچہ موقوف علیہ ہوگا اور اس میں مقرر کردہ معیار کے مطابق کامیاب ہونے پر ہی بقیہ کتابوں کا امتحان ہوگا۔ کتب ممتحنہ اور تاریخ امتحان کا نقشہ حسب ذیل ہے:

درجات امتحان	موقوف علیہ پرچہ (تحریری)	موقوف علیہ پرچہ میں کامیابی کے بعد درج ذیل کتابوں کا امتحان ہوگا
برائے اول عربی	مالابدمنہ (۸؍شوال مطابق ۱۸؍اپریل، جمعرات)	گلستاں مکمل علاوہ باب پنجم کا تقریری امتحان بتاریخ: ۱۱؍شوال مطابق ۲۱؍اپریل، اتوار حساب: جمع، گھٹاؤ، ضرب، تقسیم کا تحریری امتحان بتاریخ: ۱۳؍شوال مطابق ۲۳؍اپریل، منگل
برائے دوم عربی	شرح مائۃ عامل (۸؍شوال مطابق ۱۸؍اپریل، جمعرات)	میزان منشعب، پنج گنج تا خاصیات، نحومیر تا ختم مستثنیٰ، القرأۃ الواضحہ حصہ اول اور مفتاح العربیہ کا تقریری امتحان بتاریخ: ۱۱-۱۲؍شوال مطابق ۲۱-۲۲؍اپریل، اتوار و دوشنبہ
برائے سوم عربی	ہدایۃ النحو (۸؍شوال مطابق ۱۸؍اپریل، جمعرات)	❋ فصول اکبری، علم الصیغہ، مرقات، قدوری تا ختم کتاب الحج اور القرأۃ الواضحہ حصہ دوم کا تقریری امتحان بتاریخ: ۱۱-۱۲؍شوال مطابق ۲۱-۲۲؍اپریل، اتوار و دوشنبہ ❋ نفحۃ الادب مع نور الایضاح کا تحریری امتحان بتاریخ: ۱۴؍شوال مطابق ۲۴؍اپریل، بدھ
برائے چہارم عربی	قدوری (از کتاب البیوع تا ختم) مع ترجمہ قرآن (سورہ ق تا آخر قرآن) (۸؍شوال مطابق ۱۸؍اپریل، جمعرات)	☆ کافیہ کا تحریری امتحان بتاریخ: ۱۳؍شوال مطابق ۲۳؍اپریل، منگل ❋ شرح تہذیب مع نفحۃ العرب کا تحریری امتحان بتاریخ: ۱۴؍شوال مطابق ۲۴؍اپریل، بدھ
برائے پنجم عربی	ترجمہ قرآن (از سورہ یوسف تا سورہ ق) مع دروس البلاغہ (۹؍شوال مطابق ۱۹؍اپریل، جمعہ)	❋ شرح وقایہ اول و دوم تا کتاب العتاق (۱۳؍شوال مطابق ۲۳؍اپریل، منگل) ❋ اصول الشاشی مع قطبی (۱۴؍شوال مطابق ۲۴؍اپریل، بدھ)
برائے ششم عربی	ہدایہ اول (۹؍شوال مطابق ۱۹؍اپریل، جمعہ)	❋ مختصر المعانی مع نور الانوار (۱۵؍شوال مطابق ۲۵؍اپریل، جمعرات) ❋ سلم العلوم مع مقامات حریری (۱۶؍شوال مطابق ۲۶؍اپریل، جمعہ)

برائے ہفتم عربی	ہدایہ ثانی مع حسامی (۹؍شوال مطابق ۱۹؍اپریل، جمعہ)	❋میبذی مع قصائد متنبّی (۱۵؍شوال مطابق ۲۵؍اپریل، جمعرات) ❋جلالین شریف (۱۶؍شوال مطابق ۲۶؍اپریل، جمعہ) نوٹ: درجہ ہفتم میں جدید داخلہ کی تکمیل کے لیے قرآن کریم صحیح مخارج سے پڑھنا لازم ہوگا، منتخب شدہ طلبہ کا امتحان لیا جائے گا اور اس کے بعد ہی فارم داخلہ دیا جائے گا۔
برائے دورۂ حدیث	شرح عقائد مع نخبۃ الفکر (۱۰؍شوال مطابق ۲۰؍اپریل، شنبہ)	❋ہدایہ آخرین مع سراجی (۱۷؍شوال مطابق ۲۷؍اپریل، سنیچر) ❋مشکوۃ شریف (۱۸؍شوال مطابق ۲۸؍اپریل، اتوار) نوٹ: علاوہ ازیں، پارہ عم کا صحیح مخارج کے ساتھ حفظ ہونا ضروری ہوگا اور اس کے امتحان کے بعد ہی فارم داخلہ دیا جائے گا۔

درجات امتحان	امتحان کا آغاز	دیگر امتحانات
حفص اردو	حساب کا تحریری امتحان (۱۹؍شوال مطابق ۲۹؍اپریل، دوشنبہ)	حفظ قرآن مع اردو کی پہلی و دوسری کتاب کا تقریری امتحان (۲۳؍شوال مطابق ۳؍مئی، جمعہ)
حفص عربی	ترجمہ قرآن (از سورہ ق تا آخر) مع قدوری (۸؍شوال مطابق ۱۸؍اپریل، جمعرات) مع طلبہ چہارم مطلوب	بعد میں دفتر تعلیمات کے ذریعہ اعلان کیا جائے گا۔
سبعہ وعشرہ	ترجمہ قرآن (از سورہ یوسف تا سورہ ق) (۹؍شوال مطابق ۱۹؍اپریل، جمعہ) مع طلبہ پنجم مطلوب	بعد میں دفتر تعلیمات کے ذریعہ اعلان کیا جائے گا۔
کتابت		بعد میں دفتر تعلیمات کے ذریعہ اعلان کیا جائے گا۔

تمام جدید منتخب طلبہ کے لیے برتھ سرٹیفکیٹ اور آدھار کارڈ کے ساتھ ساتھ ایک مزید دستاویز (ووٹر شناختی کارڈ یا راشن کارڈ یا نواس پرمان پتر یا پاسپورٹ) کی ڈبل مصدقہ کاپی پیش کرنی لازمی ہے۔ اصل کاپی دیکھنے کے لیے طلب کی جاسکتی ہے؛ اس لیے اصل کاپی بھی ہمراہ لائیں، اس میں مہلت نہیں دی جائے گی۔

حسب سابق قواعد داخلہ کو ویب سائٹ (www.darululoom-deoband.com) پر بھی شائع کیا گیا ہے جو ہوم پیج پر 'قواعد داخلہ' کے لنک پر دستیاب ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا اجلاس

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا دوروزہ اجلاس ۱۷ تا ۱۸؍شعبان ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۸ تا ۲۹؍فروری ۲۰۲۴ء

بدھ و جمعرات کو دارالعلوم کے مہمان خانہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب نے فرمائی۔ ۱۷؍شعبان کی صبح مجلس شوریٰ کے اجلاس کی پہلی نشست منعقد ہوئی جس کا آغاز حضرت مولانا قاری سید حبیب اللہ صاحب باندوی کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ اجلاس میں اہم نکات پر مبنی مختصر ایجنڈے کے مطابق کارروائی کا آغاز ہوا۔ ایجنڈہ کے مطابق مجلس شوریٰ منعقدہ ماہ صفر ۱۴۴۵ھ اور مجلس عاملہ منعقدہ جمادی الاولی ۱۴۴۵ھ کی کاروائیوں کی خواندگی وتوثیق عمل میں آئی اور خواندگی کی کاروائی کے دوران زیرغور مسائل پر فیصلے لیے گئے۔

حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے رپورٹ انتظامیہ پیش کی گئی اور خواندگی کے دوران زیرغور مسائل پر فیصلے لیے گئے۔ نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نے شعبۂ تعمیرات کی رپورٹ پیش کی۔ اجلاس میں ناظم تعلیمات حضرت مولانا حسین احمد صاحب ہریدواری نے مجلس تعلیمی کی رپورٹ پیش کی جس میں دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ امتحان سالانہ کے انعقاد اور گذشتہ دنوں منعقد ہونے والے جلسۂ انعامیہ کی تفصیلات پیش کی گئیں۔ اگلے تعلیمی سال میں نئے داخلے اور تعلیم وتربیت کو بہتر سے بہتر بنانے کے سلسلے میں ضروری فیصلے لیے گئے۔

دارالعلوم کے ابتدائی درجات کے نصاب کے ساتھ عصری علوم کی تیاری اور طلبہ کو دسویں کا امتحان دلانے کے سلسلے میں فیصلہ کیا گیا کہ اس سلسلے میں این آئی اوایس (NIOS) اور او بی ای (OBE) کے نصاب کو اختیار کیا جائے اور آئندہ تعلیمی سال سے اس کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ علاوہ ازیں، مجلس شوریٰ نے عربی نصاب میں ترمیم و اصلاح کے سلسلے میں ایک آٹھ رکنی کمیٹی بھی تشکیل دی۔ اجلاس میں دارالعلوم کے کچھ اساتذہ کا استقلال بھی منظور کیا گیا، جب کہ کچھ کا رکنان کا تقرر بھی عمل میں آیا اور کچھ کبیرالسن اساتذہ وملازمین کو ان کی خدمات سے سبکدوش کرکے ان کا وظیفۂ کبرسنی منظور کیا گیا۔

اجلاس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب، صدرالمدرسین حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے علاوہ حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی صاحب، حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب، حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب میل وشارم، حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھ، حضرت مولانا رحمت اللہ میر صاحب کشمیری، حضرت مولانا انوارالرحمٰن صاحب بجنوری، حضرت مولانا حسن محمود صاحب راجستھانی، حضرت مولانا سید انظر حسین میاں صاحب دیوبندی، حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب گڈھی دولت شاملی، حضرت مولانا سید حبیب صاحب باندوی، حضرت مولانا سید محمود مدنی صاحب، حضرت مولانا محمد شفیق احمد صاحب بنگلوری اور حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی صاحب نے شرکت فرمائی۔

اس اجلاس میں حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب مالیگاؤں، حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دربھنگہ اور حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب اور حضرت مولانا عبد الصمد صاحب بنگال مختلف اعذار کی بنیاد پر شریک اجلاس نہیں ہوسکے۔

مجلس شوریٰ کا یہ دوروزہ اجلاس اہم تعلیمی وانتظامی تجاویز کی منظوری اور ملک وملت کے لیے فلاح وخیر کی دعاؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

* * *

نئی کتابیں

نام کتاب : مشاہیر اکابر ومعاصرین
تصنیف : حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ، مفتی دارالعلوم دیوبند
ترتیب : ڈاکٹر مولانا احمد سجاد قاسمی (فرزند ارجمند)
صفحات : ۴۵۵
اشاعت : ۲۰۱۹ء
ناشر : مرکزی پبلی کیشنز دہلی 9811794822
تعارف نگار : ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

==========

''مشاہیر اکابر ومعاصرین'' خاکوں کا مجموعہ ہے، اس میں ستر منتخب مایہ ناز شخصیات کا خاکہ ہے، خاکہ نگار ساٹھ ستر کتابوں کے مصنف فتاویٰ دارالعلوم کے مرتب ہیں، جنھوں نے سترہ سال دارالعلوم دیوبند کے ترجمان رسالہ کا اداریہ لکھنے کی ذمہ داری پوری کی ہے، اداریے اس شان کے ہوتے تھے کہ قارئین کو ماہ نامے کا انتظار رہتا تھا، اکاون (۵۱) خاکے ماہ نامے سے لیے گئے ہیں بقیہ خاکے دوسرے مجلّات سے لیے گئے ہیں؛ جب کہ متعدد ایسے خاکے بھی ہیں جو ملک کے سیمیناروں میں پڑھے گئے ہیں۔ اس سے اس مجموعہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، ان میں اکثر خاکوں میں موصوف نے ان باتوں کو قلم بند فرمایا ہے جو انھیں خود معلوم تھیں، کسی تحریر یا مضمون سے نقل کیے ہوئے نہیں ہیں؛ البتہ جن اکابر کو دیکھا نہیں ہے اُن کے بارے میں معتبر کتابوں سے رجوع کرکے خاکہ ترتیب دیا ہے۔ مثلاً حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت شیخ الہند، مولانا ابوالمحاسن سجاد، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی وغیرہ جن شخصیات کو موصوف نے خود برتا، یا ان کی صحبت اختیار کی، یا ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، یا ملک وملت کی

خدمات میں ان کا نمایاں مقام رہا یا انھوں نے علمی میدان میں اپنی عبقریت ثابت کی؛ ان سب پر حضرت مفتی صاحب نے برجستہ لکھا ہے۔ ان کی تحریر میں بے ساختگی اور برجستگی خوب ملتی ہے، الفاظ ومفردات کے انتخاب میں کہیں تکلف نظر نہیں آتا، موصوف کا قلم بس ایک رواں دواں دریا محسوس ہوتا ہے، پڑھنے والا شروع کرنے کے بعد محویت کے عالم میں کھو جاتا ہے۔

راقم حروف نے ایک بار حضرت کا ایک تازہ مضمون پڑھا جو ابھی چھپا نہیں تھا، اس کی روانی، شستگی، برجستگی اور تعبیرات کی فراوانی نے بہت متأثر کیا، ان سب کے ساتھ تحقیق وعلمیت میں بھی قطعیت تھی؛ تو میں نے پوچھا: حضرت! یہ بتایئے کہ آپ مضمون کب لکھتے ہیں؟ فرمایا: کیوں؟ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: حضرت قلم میں اتنا بہاؤ کہاں سے لاتے ہیں؟ ہم لوگ تو سوچ سوچ کر بھی عمدہ نہیں لکھ پاتے؛ اس لیے پوچھ رہا ہوں! تو فرمایا کہ میں اہم مضامین فجر سے پہلے لکھتا ہوں، اس وقت ذہن تازہ رہتا ہے، مضامین بھی آتے ہیں اور تعبیرات والفاظ کی فراوانی بھی نصیب ہوجاتی ہے، پھر فرمایا کہ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بھی میں بہت سی تحریریں لکھتا تھا، متعدد تحریریں ان کے نام سے چھپی ہیں، وہ بھی یہی پوچھتے تھے کہ مفتی صاحب آپ کی تحریر میں اتنا البیلا پن کیسے پیدا ہوجاتا ہے؟

کوئی بھی ناقد ان خاکوں کو پڑھے گا تو اس کو اندازہ ہوگا کہ حضرت کو خاکہ نگاری کا خاص ذوق حاصل تھا، ان سب میں جامعیت کا وصف موجود ہے، زندگی کی بنیادی معلومات، شخصیت کے آثار، ان کی خدمات، تصانیف، سیاسی سرگرمیاں، اصلاحی کوششیں اور بنیادی خوبیاں ضرور لکھ دیتے ہیں۔

تو آیئے ان سے لطف لیجیے۔ اپنی معلومات میں اضافہ کیجیے اور ان کی طرح خاکہ نگاری کیجیے! بزرگوں کی سیرت کو ہم اپنے لیے سنگ میل بنائیں گے تو ہم بھی کامیابی وکامرانی کی منزلوں کو پاسکیں گے وباللہ التوفیق۔

مجموعہ ''مشاہیر اکابر ومعاصرین'' کتابت، طباعت، کاغذ اور ٹائٹل ہر لحاظ سے پرکشش اور جاذب نظر ہے۔

❊ ❊ ❊